سلسلہ نمبر 58

بار اوّل ۳۳۰۰

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
بلغوا عنی ولو آیۃ (رواہ البخاری)

ماخوذ
مواعظ حکیم الامت (محشّٰی)
جلد ۳

وعظ

مہمّاتِ الدُّعاء

حصہ اوّل (دُعا سے متعلق اہم اُمور) حصہ دوم

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر واشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور نمبر ۱۸

فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۷۲۸ کامران بلاک: ۴۴۸۰۶۰ ۵۲۲۲۲۱۳

جون ۱۹۹۹ء

صفر ۱۴۲۰ھ

مواعظ حکیم الامت (محشّٰی)

جلد سوم

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

مواعظ حکیم الامت (محشی)

جلد سوم

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: ۵۲۲۲۲۱۳-۴۴۸۰۶۰

مہمات الدعا

۱-	خطبہ	۳
۲-	تمہید	۴
۳-	مقصود دعاء	۴
۴-	دوسری مثال	۵
۵-	تیسری مثال	۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۶-	دعا کی حقیقت	۶
۷-	تفسیر آیت وجواب اشکالات	۷
۸-	شبہ اور اس کا جواب	۸
۹-	دل کی حقیقت	۹
۱۰-	مضمون آیت	۹
۱۱-	علمی و تفسیری فائدہ	۱۱
۱۲-	دعا کا امتیاز	۱۲
۱۳-	تکبر کا نقصان	۱۳
۱۴-	فناء الفناء کی حقیقت	۱۴
۱۵-	صحبت شیخ کا فائدہ	۱۵
۱۶-	ناجائز کام کے علاوہ ہر دعاء عبادت ہے	۳۶
۱۷-	عشاق کی شان	۱۸
۱۸-	اصول علم کی غرضِ فاسد	۱۸
۱۹-	دعوی	۱۹
۲۰-	معروضہ	۱۹
۲۱-	خطبہ	۲۲
۲۲-	امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ دونوں کے لیے دعا کی ضرورت ہے	۲۳
۲۳-	تاثیر کی حقیقت	۲۵

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۲۴-	امور اختیاریہ میں دعا کے ساتھ تدبیر کی ضرورت	۲۷
۲۵-	دعا سے غفلت کے اسباب	۲۸
۲۶-	یقین کامل دعا کے لیے ضروری ہے	۳۰
۲۷-	اسباب اور دعا دونوں کا جمع ضروری ہے	۳۳
۲۸-	ترک اسباب کے شرائط	۳۴
۲۹-	ایک بزرگ کا قصہ	۳۵
۳۰-	تدبیر کا اختیار کرنا خلاف توکل نہیں	۳۶
۳۱-	حضور ﷺ دوسروں کی راحت و آسانی کا خیال رکھتے تھے	۳۷
۳۲-	آمین بالجہر کی حقیقت	۳۸
۳۳-	صرف الفاظ کے ظاہری معنی پر عمل کرنے کا نقصان	۳۹
۳۴-	حضور ﷺ کا دعا و توکل کے ساتھ اسباب کو جمع کرنا	۴۱
۳۵-	معجزات میں بھی اسباب کی رعایت	۴۲
۳۶-	ترک دعا کا دوسرا سبب	۴۳
۳۷-	ترک دعا سے پیدا ہونے والی غلطیاں	۴۴
۳۸-	ترک دعا کا تیسرا سبب	۴۸
۳۹-	بعض دعاؤں کا قبول نہ ہونا رحمت ہے	۴۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۴۰-	موسیٰ علیہ السلام کی حکایت	۵۰
۴۱-	اللہ جس حال میں رکھے وہی بہتر ہے	۵۰
۴۲-	قبولیت اعمال کی علامت	۵۲
۴۳-	اجر دعا ذخیرہ آخرت ہے	۵۳
۴۴-	دعا تسلیم و رضا کے خلاف نہیں	۵۳
۴۵-	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نہ کرنے کی حقیقت	۵۴

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (رواہ البخاری)

سلسلۂ تبلیغ ۵۸

وعظ

بار اول ۳۳۰۰

مہمّات الدُّعاء

(دُعا سے متعلق اہم امور)

حصّہ اوّل

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشر و اشاعت جامعہ دار العُلوم الاسلامیہ
کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک : ۴۴۸۰۶۰ — ۵۴۲۲۲۱۲
فون پرانی انار کلی : — ۷۳۵۳۷۲۸ —

صفر ۱۴۲۰ھ

جون ۱۹۹۹ء

یہ وعظ حضرت والاؒ نے ۲ صفر ۱۳۲۹ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں تقریباً دو گھنٹے بیٹھ کر "بیان تنبیہات متعلقہ دعاء" کے موضوع پر بیان فرمایا۔

مولوی نور حسین صاحب پنجابی نے اسے قلم بند فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوات عبدیت جلد اول کا وعظ دوم ملقب بہ

مہمات الدعاء

کا

حصہ اول

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلامضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم.

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم. قال اللہ تعالی: (آیت) وقال ربکم ادعونی استجب لکم. ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین[1].

(اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا ہے مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے)

---

(۱) المومن آیت: ۶۰

تمہید

اس آیت کے مضمون ہی سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ آج کا مقصود وعظ بیان تنبیہات متعلقہ[1] دعاء ہے اور شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ ہم تو دعا کیا کرتے ہیں اور اس کی ضرورت وغیرہ کو بھی جانتے ہیں پھر کیوں تنبیہ کی جاتی ہے کیونکہ تنبیہ تو اس امر[2] میں ضروری ہے جس کو جانتا نہ ہو یا کرتا نہ ہو۔ سو ضرورت تنبیہ کی یوں ہے کہ باوجود جاننے اور کرنے کے بھی جب دعا کے بارے میں تغافل[3] برتا جاتا ہے یعنی اس کی ضروری آداب و شرائط سے بے پروائی کی جاتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانی ہوئی چیزوں سے بھی بڑھ کر کوئی قوی حجاب[4] ہے کیونکہ مجہولات میں تو صرف جہل حجاب[5] ہے کہ اس کا رفع[6] ہونا سہل[7] ہے اور جانی ہوئی چیز میں جب ایسا معاملہ کیا جائے تو وہ حجاب زیادہ سخت ہوگا اور ہر چند کہ یہ تغافل اور قلب کا حاضر نہ ہونا سب عبادت میں قبیح ہے مگر دعا میں اقبح[8] ہے۔

مقصود دعاء

وجہ یہ کہ عبادات میں گو اصل مقصود معنی ہے مگر تاہم ایک درجہ میں صورت بھی مقصود ہے بخلاف دعا کے کہ اس میں صرف معنی ہی معنی مقصود ہے اور وہ نیاز و افتقار و انکسار و خشوع قلب[9] ہے جب یہ بھی نہ ہوا تو وہ دعا کیا ہوئی، بیان

---

(۱) دعا سے متعلق باتوں پر متنبہ کرنا ہے (۲) کام میں ضروری ہے (۳) لاپرواہی ہوجاتی ہے (۴) بڑی روکاوٹ ہے (۵) جن چیزوں کو آدمی جانتا نہ ہو تو ان کے کرنے میں جہالت رکاوٹ ہے (۶) دور کرنا (۷) آسان (۸) اگرچہ یہ غفلت اور دل کا حاضر نہ ہونا ہر عبادت میں برا ہے مگر دعا میں بہت ہی برا ہے (۹)۔ وہ اللہ سے اپنی ضرورت کے اظہار عاجزی اور نیازمندی کو ظاہر کرتے ہوئے گڑگڑا کر مانگنے کا نام دعا ہے

اس کا یہ ہے کہ مثلاً نماز ہے کہ قرآن[۱] سے اس میں علاوہ مقصود معنوی یعنی توجہ الی اللہ کی صورت بھی مراد[۲] اور مطلوب ہے کہ اس کے قیود ظاہری سے مفہوم[۳] ہوتا ہے مثلاً وضوء، جہت قبلہ، وقت، تعین رکعات وغیرہ، اب اگر کوئی شخص بغیر حضور قلب کے رکوع و سجود وغیرہ شرائط سے نماز پڑھ لے تو گو مقصود معنوی توجہ الی اللہ اس میں نہیں ہوئی مگر فقیہ عالم یہی حکم دے گا کہ فرض ادا ہو گیا اس سے ثابت ہوا کہ صورت بھی کسی درجہ میں مطلوب ہے اور اس کی تحقیق سے صحت صلوۃ کا فتویٰ صحیح ہوا اس تقریر سے ان بے دینوں کا یہ شبہ بھی رفع ہو گیا جو کہا کرتے ہیں کہ صاحب دل تو حاضر نہیں پھر نماز کیا پڑھیں معلوم ہوا کہ علاوہ حضور قلب کے کہ معنی اور حقیقت ہے نماز کی یہ صورت ظاہری رکوع سجود بھی مقصود ہے۔

دوسری مثال

دوسری نظیر لیجیے۔ روزے سے مقصود معنوی قوت بہیمہ کا توڑنا اور مغلوب کرنا مطلوب[۴] ہے۔ مگر با ایں ہمہ[۵] اگر کوئی شخص سحری کو ایسا پیٹ بھر کھائے کہ افطار تک اس کو بھوک نہ لگے تو اس صورت میں قوت بہیمہ تو کچھ بھی نہیں ٹوٹی مگر روزے کی چونکہ ظاہری صورت پوری ہو گئی ہے روزہ صحیح ہو گیا۔

---

(۱) دلائل سے (۲) نماز کا مقصود تو اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے لیکن اس کی مطلوبہ ہئیت بھی ضروری ہے کہ صرف اللہ کی طرف متوجہ ہونے کو نماز نہیں کہتے (۳) یہ بات ظاہری قیدوں وضوء اور قبلہ کیطرف منہ کرنے وغیرہ سے سمجھ میں آتی ہے (۴) روزہ کا مقصود حیوانی قوتوں کا توڑنا ہے جس کی وجہ سے آدمی گناہ میں مبتلا ہوتا ہے (۵) مگر اس سب کے باوجود

تیسری مثال:

تیسری نظیر اور لیجیے زکوٰۃ کہ مقصود معنوی اس سے اغناء مساکین [1] ہیں مگر با ایں ہمہ [2] اس کے لیے ایک خاص مقدار ایک خاص وقت معین ہے جس سے مقصودیت صورت [3] ایک درجہ میں یہاں بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ صرف اغناء تو ان امور پر موقوف نہیں [4]۔

دعاء کی حقیقت

لیکن دعا میں نہ کسی وقت کی شرط نہ زبان عربی کی شرط نہ کسی خاص جہت کی شرط نہ کوئی مقدار معین نہ وضو وغیرہ کی قید اس میں صرف عاجزی نیاز مندی اپنی احتیاج کا اظہار اپنے مولیٰ کے آگے بس یہ کافی ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہاں صورت پر بالکل نظر نہیں معنی ہی معنی مقصود ہیں۔ پس اب یہ صرف زبانی دعا کی آموختہ سا رٹا ہوا پڑھ دیا نہ خشوع نہ خشیت نہ دل میں اپنی عاجزی تصور یہ خالی از معنی دعا کیا ہوئی [5] اس بے توجہی کی مثال تو ایسی ہوئی جیسا کوئی شخص کسی حاکم کے ہاں عرضی دینا چاہے اور اس طور پر عرضی پیش کرے کہ حاکم کی طرف پیٹھ [6] کرے اور منہ اپنا کسی دوست یار کی طرف کر کے اس عرضی کو پڑھنا شروع کرے دو جملے پڑھ لیے۔ پھر یار دوست سے ہنسی مخول [7] کرنے لگے پھر دو جملے پڑھ دیے اور ادھر مشغول ہو گئے۔

اب سوچ لینا چاہیے کہ حاکم کی نظر میں ایسی عرضی [8] کی کیا قدر ہو سکتی

---

(۱) غریبوں کا مال دار کرنا (۲) مگر اس سب کے باوجود (۳) اس سب سے صورت کا ضروری ہونا یہاں بھی معلوم ہوتا ہے (۴) اس لیے کہ مال دار کرنے کا انحصار صرف ان کاموں پر نہیں (۵) پس ایسی دعا جو سبق کی طرح رٹی ہوئی پڑھ دی جائے نہ اس میں اللہ کا خوف نہ گڑگڑا کر مانگنا ہو نہ اپنی عاجزی کا تصور یہ بے معنی دعا ہے (۶) پشت (۷) مذاق (۸) درخواست

ہے بلکہ الٹا یہ شخص قابل سزا ٹھہرایا جائے گا بس یہی معاملہ ہے دعا کا دعا میں جب تک کہ پورے طور پر قلب[۱] کو حاضر نہ کرے گا اور عاجزی اور فروتنی کے آثار[۲] اس پر نمایاں نہ ہوں گی۔ وہ دعا۔ دعا نہیں خیال کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو قلب کی حالت کو دیکھتے ہیں۔

ما بروں را ننگریم و قال را — ما درون را بنگریم و حال را

ناظر قلبیم گر خاشع بود — گرچہ گفت لفظ نا خاضع بود

(ہم ظاہر اور قال کو نہیں دیکھتے ہم باطن اور حال کو ہم دل کو دیکھنے والے ہیں۔ اگر عاجزی و فروتنی کرنے والا ہو اگرچہ اس کا قول عاجزی و فروتنی کرنے والا نہ ہو)

حدیث شریف میں ہے: ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم (اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے قلوب کو دیکھتے ہیں)

تفسیر آیت وجواب اشکالات

اور آیت "انی وجہت وجہی" الخ (میں اپنے دل کو متوجہ کرتا ہوں) میں وجہی[۳] سے بھی مراد یہی وجہ قلب ہے ورنہ بر تقدیر وجہ ظاہری کے خداوند تعالیٰ کا ذو جہت ہونا لازم آئے گا[۴]۔ کیونکہ معنی تو یہی ہیں کہ میں نے اپنی وجہ[۵] کو خدا کی طرف کیا۔ اور ظاہر ہے کہ وجہ ایک خاص سمت میں ہوگا۔ تو کیا ذات منزہ[۶] اسی سمت میں ہوگی یہ تو محال[۷] ہے عقلاً اور شرعاً کیونکہ وہ قیود سے

---

(۱) دل (۲) خود سپردگی کے آثار (۳) اپنے چہرے کو پھیرتا ہوں سے مراد دل کا متوجہ کرنا ہے (۴) وجہی سے ظاہری چہرہ مراد لینے کی صورت میں اللہ پاک کا کسی ایک جانب ہونا لازم آتا ہے کہ چہرے کو اس جانب پھیرتا ہوں اس لیے یہاں ظاہری چہرے کا پھیرنا مراد نہیں بلکہ دل کا متوجہ کرنا مراد ہے کہ اللہ پاک جہات سے منزہ ہے (۵) اپنے چہرے کو (۶) اللہ کی پاکیزہ ذات (۷) ناممکن ہے

منزہ[۱] ہے چنانچہ اینما تولوا فثم وجه الله (جس طرف منہ کرلو ادھر ہی اللہ تعالیٰ کا رخ ہے) اس کی شرعی دلیل ہے اور اس نفی جہت و تنزہ عن القیود[۲] سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ذات باری میں تشخص اور تعین نہیں ہے تو وجود باری کا انکار لازم آئے گا اس لیے کہ بغیر تشخص و تعین کے تو کسی شے کا وجود محض ہے جیسا کہ بعض کے کلام سے متوہم[۳] ہوتا ہے کیونکہ بدون تشخص اور تعین کے تو کسی شے کا وجود خارجی[۴] محال ہے البتہ اس کی ذات کے لائق تشخص و تعین ہے کہ ہم اس تشخص و تعین کی حقیقت و کنہ کا ادراک نہیں کر سکتے[۵]۔

شبہ اور اس کا جواب

اور اگر شبہ ہو کہ جیسے وجہ کے لیے جہت ہونا ضروری ہے[۶] ایسے ہی قلب[۷] کی بھی تو کوئی جہت[۸] ہوگی وہی اشکال یہاں لازم آئے گا۔ تو جواب یہ ہے کہ قلب سے مراد یہ مضغۂ صنوبری[۹] نہیں بلکہ قلب ایک لطیفہ غیبی ہے مجردات۔ سے اور ہر چند کہ بعض متکلمین کا اس میں اختلاف ہے کہ مجردات کا وجود ہے یا نہیں مگر محققین صوفیہ کا یہ مکشوف[۱۰] ہے کہ بعض اشیاء مجردات سے ہیں مگر حادث ہیں ذاتاً بھی اور زماناً[۱۱] بھی اور یہی فرق ہے درمیان صوفیہ اور حکماء کے کیونکہ حکماء مجردات کو صرف ذاتاً حادث مانتے ہیں اور زماناً قدیم[۱۲] مانتے

---

(۱) اللہ جہات کی قیدوں سے پاک ہے (۲) کسی ایک جانب کی نفی اور قیدوں کے پاک ہونے سے (۳) سمجھ میں آتا ہے (۴) خارج میں موجود ہونا ناممکن ہے (۵) اللہ کی ذات میں تشخص بھی ہے اور تعین بھی ہے لیکن ہم اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کرسکتے البتہ ہمارے جب تشخص اور تعین نہیں کہ جہات کا محتاج ہو (۶) چہرے کے لیے کسی جانب کا ہونا ضروری ہے (۷) دل (۸) جانب (۹) گوشت کا ٹکڑا نہیں (۱۰) بعض صوفیاء کو اس بات کا کشف ہوا ہے (۱۱) متغیر ہونے کے باوجود ذات اور زمانے دونوں کے اعتبار سے ختم ہونے والی ہیں (۱۲) زمانے کے اعتبار سے ہمیشہ سے مانتے ہیں

ہیں اور متکلمین کے پاس نفی مجردات کی جبکہ وہ زماناً بھی حادث ہوں کوئی دلیل سالم[۱] نہیں۔

دل کی حقیقت

اور یہ مضمون کے قلب سے مراد ایک لطیفہ غیبی ہے اور مجرد عن المادہ[۲] ہے یہ ٹکڑا گوشت کا مراد نہیں جوکہ ذو جہت[۳] ہے علاوہ کشف کے ہمارے ایک محاورے سے بھی جوکہ روزمرہ بولاجاتا ہے بالکل واضح ہوجاتا ہے مثلاً ہم کہتے ہیں کہ ہمارا دل اس وقت بازار میں ہے اور فرض کیجیے کہ ہم اسوقت بازار میں موجود نہ ہوں اور مقصود محاورات سے حقائق علمیہ پر استدلال کرنا نہیں محض تنویر اور تقریب[۴] ہے۔ غرض یہ بات پورے طور پر ثابت ہوگئی کہ دعا میں حضور اور خشوع ہی مقصود ہے۔ اگر بے اس کے بھی کسی کی دعا قبول ہوجائے تو اس کو یہ سمجھنا چاہئیے کہ یہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر ابتدائی احسان ہے دعا کا اثر نہیں یہ ایک تمہید تھی مضمون دعا کی۔

مضمون آیت

اب آیت کا مضمون سنیے، اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اس آیت میں بڑے اہتمام سے دعا کا مضمون بیان فرمایا ہے چنانچہ شروع میں یہ تصریح فرمائی کہ وقال ربکم (تمہارے رب نے فرمادیا) حالانکہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ کا ہے مگر پھر اس کو اس لیے ظاہر فرمایا کہ اس کی تاثیر نفس میں قوی[۵] ہوجانے اور

---

(۱) دلیل مضبوط نہیں (۲) مادہ سے خالی ہے (۳) سمت رکھنے والا (۴) علمی حقائق پر دلیل پکڑنا نہیں بلکہ ذہن کو حقیقت سے قریب کرنا ہے (۵) نفس پر اس کا اثر زیادہ ہو

مضمون ما بعد کی وقعت دلوں[1] میں زیادہ ہو پھر لفظ "ربکم" (تمہارا رب) ارشاد فرمایا اس میں بوجہ اظہار ربوبیت[2] گویا اشارہ ہے دعا کے قبول کرلینے کا اس طور پر کہ چونکہ ہم ہمیشہ سے تمہاری پرورش کرتے آئے ہیں حتی کہ بدون[3] تمہاری درخواست کے بھی کی ہے تو کیا تمہاری عرض کو درخواست کرنے پر بھی قبول نہ کریں گے نہیں ضرور قبول کریں گے۔

ما نبودیم و تقاضا ما نبود   لطف تو نا گفتہ ما مے شنود

(نہ ہم تھے نہ ہمارا تقاضا تھا آپ کا لطف و کرم ہمارے بلا کہے ہوئے سنتا تھا)

آیت **اذ انشاءکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھاتکم** لخ۔ (جبکہ تم کو زمین سے پیدا کیا تھا جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے) میں اسی تربیت بے درخواست کا ذکر فرمایا ہے اس کے بعد پیدائش کے بعد کی حالت قابل غور ہے کہ یہ حالت ایسی تھی کہ کسی قسم کی تمیز اور شعور اس وقت تک نہ ہوا تھا اس حالت میں اگر تمام دنیا کے حکماء سقراط بقراط وغیرہ اکٹھا ہو کر صرف اتنی ہی تدبیر کرنا چاہئیں کہ بچہ دودھ پینا سیکھ جائے تو ہرگز وہ قیامت تک اس پر قادر نہیں ہوسکتے یہ اسی قادر ذوالجلال کی حکمت اور اس کی رحمت اور عنایت ہے کہ اس نے بچہ کو دودھ چوسنا سکھایا حکماء کہیں گے کہ یہ خود طبیعت کا فعل ہے مگر جبکہ خود وہ طبیعت ہی کو بے شعور[4] مان چکے ہیں تو ایسے پر حکمت کاموں کا اس کی طرف منسوب کرنا بے شعوری[5] نہیں تو اور کیا ہے تیسرا اہتمام "ربکم" کی اضافت ہے گویا فرماتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ہیں تم ہم سے مانگو اور اسی کی نظیر دوسری آیت میں اضافت ہے۔ **(ولیواخذاللہ**

---

(۱) بعد میں آنے والے مضمون کی اہمیت دلوں میں پیدا ہو (۲) رب ہونے کے اظہار سے (۳) بغیر (۴) ناسمجھ (۵) ناسمجھی

الناس) الی قولہ (کان لعبادہ بصیراً) (اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں پر ان کے ظلم کے سبب دارو گیر فرماتے (تا) وہ اپنے بندوں پر بصیر ہے) حالانکہ یہاں عباد ماخوذین[۱] کا ذکر ہے مگر ان کو بھی اپنی طرف مضاف فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔

علمی و تفسیری فائدہ

اس آیت کے متعلق ایک فائدہ علمیہ تفسیریہ سمجھنے کے قابل ہے کہ آدمیوں کے مواخذے کی تقدیر پر تمام دواب کے ہلاک کو کیسے مرتب فرمایا[۲] تو وجہ اس کی یہ ہے کہ سب چیزیں انسان ہی کے لیے پیدا ہوئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے **ھوالذی خلق لکم ما فی الارض جمیعاً**[۳] یعنی تمام چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے ہی لیے پیدا کی ہیں خواہ ان کا نفع بلاواسطہ تم کو پہنچے یا واسطہ در واسطہ پس چونکہ انسان کے لیے ہی سب چیزیں پیدا کی گئی ہیں اس لیے انسان اگر گناہ پر ہلاک کیا جاتا تو دوسری چیزیں بھی اس لیے ہلاک کی جاتیں کہ جب وہی نہ رہا جس کے لیے یہ سامان تھا تو پھر اس سامان کی کیا ضرورت جب آدمی نہ ہوں تو پھر خیمے ڈیرے و دیگر سامان اسباب کس کام کے، البتہ یہ شبہ اور باقی رہ گیا کہ بروں کو تو ان کے برے کام کی سزا ملتی ہے اور نیک آدمیوں کو کیوں ہلاک کیا جاتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ اچھے آدمی قدر قلیل[۴] ہوتے ہیں اور انسان کی ضرورتیں تمدن و آسائش کے متعلق اس کثرت سے ہیں کہ تھوڑے آدمی ہرگز

---

(۱) اگرچہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے مواخذہ کیا جاتا ہے (۲) آیت میں یہ کیوں فرمایا کہ اگر ہم گناہوں پر مواخذہ کرتے تو سب جانوروں کو بھی ہلاک کر دیتے اس کی وجہ (۳) البقرہ (۴) تھوڑے کم ہوتے ہیں

ان کو پورا نہیں کرسکتے۔ پھر اگر بروں کے بعد نیک زندہ رہتے تو ان کو جینا وبال ہوجاتا ان کے لیے یہ مرنا ہی مصلحت ورحمت ہوتا۔ اس سے بڑھ کر مقدمہ دعا میں اس آیت میں یہ اہتمام فرمایا کہ دعا نہ کرنے والوں کے واسطے ترہیب فرمائی کہ "ان الذین یستکبرون" الخ (بلاشک جولوگ تکبر کرتے ہیں) اس موقع پر ایک فائدہ علمیہ کا بیان ضروری معلوم ہوتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوجائے کہ یہ ترہیب اعراض عن الدعاء[1] پر ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو مادہ دعا[2] کا اور ترہیب میں مادہ عبادت کا، چنانچہ: یستکبرون عن عبادتی (میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں) یستکبرون عن دعائی (میری دعا سے سرتابی کرتے ہیں) نہیں ہے اور تطابق[3] ضروری اس لیے یا تو دعا بمعنی عبادت لیا جائے یا عبادت بمعنی دعا قرار دیا جائے احتمال دونوں فی نفسہ برابر ہیں مگر چونکہ کلام مجید کا سمجھنے والا رسول اللہ ﷺ سے کوئی شخص زیادہ نہیں ہوسکتا کیونکہ مخاطب اول آپ ہی ہیں اس لیے اس کی تعیین کے لیے حدیث کو دیکھا گیا سو آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے الدعاء مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے) اور پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس سے ثابت ہوا کہ دعا اپنے معنی پر ہے اور عبادت سے مراد یہاں خاص دعا ہے ان اہتماموں سے دعا کی شان و عظمت کس درجہ ظاہر ہوتی ہے۔

دعاء کا امتیاز

ایک خصوصیت خاص دعا میں اور عبادات سے زیادہ یہ ہے کہ اور جتنی عبادتیں ہیں اگر دنیا کے لیے ہوں تو عبادت نہیں رہتیں مگر دعا ایک ایسی چیز

---

(۱) دعا نہ کرنے پر یہ ڈانٹ ہے (۲) یعنی ادعوانی ہے (۳) دونوں جگہ مطابقت ضروری ہے

ہے کہ یہ اگر دنیا کے لیے ہی ہو تب بھی عبادت ہے اور ثواب ملتا ہے مثلاً مال مانگے دولت مانگے یا اور کوئی دنیوی حاجت مانگے جب بھی ثواب کا مستحق بنے گا بر خلاف اور عبادات کے کہ اگر ان میں دنیوی حاجت مطلوب[۱] ہو تو ثواب نہیں ملتا۔ چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اگر طبیب نے کسی کو رائے دی کہ تم آج دن کا کھانا نہ کھاؤ اگر کھایا تو ضرر[۲] دے گا اس نے کہا لاؤ آج روزہ ہی رکھ لیں پس روزہ رکھ لیا تو اس کو خالص روزہ کا ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس کو در اصل روزہ رکھنا مقصود نہیں۔ ایسے ہی کوئی شخص مسافرت میں اس نیت سے مسجد کے اندر اعتکاف کرلے کہ سرائے کے کرایہ وغیرہ سے بچوں گا تو اس کو خالص ثواب اعتکاف کا نہ ملے گا مگر دعا میں یہ بات نہیں چاہے کتنی ہی حاجتیں دنیوی مانگو مگر پھر بھی ثواب ملے گا اور دعا میں یہ خصوصیت اس لیے ہے کہ دعا سراسر نیاز مندی ہے اور عجز و انکسار اور اظہار عبدیت[۳] و احتیاج، اور یہ دنیا کے مانگنے کے وقت بھی متحقق ہے اور نیاز مندی[۴] خود ایک بڑا محبوب عمل ہے۔

تکبر کا نقصان

کیونکہ جہاں نیاز مندی ہوگی وہاں کبر[۵] نہیں رہے گا اور کبر اور خودی بھی بڑا مبغوض[۶] اور بڑا حائل ہے چنانچہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ **الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری** (بڑائی میری چادر اور عظمت میرا ازار[۷] ہے) رداء اور ازار مراد یہ کہ دونوں میرے وصف خاص ہیں کہ کوئی دوسرا

---

(۱) دنیوی ضرورت طلب کرے (۲) نقصان (۳) اس لیے کہ دعا کے معنی ہیں کہ اپنے کو حقیر اور ضرورت مند ظاہر کرتے ہوئے اپنی بندگی کا اظہار کرے (۴) عاجزی (۵) تکبر (۶) تکبر اور خودی کا اظہار اللہ کے غضب کا باعث ہے (۷) تہبند

ان دو وصفوں کا مدعی محق[1] نہیں ہوسکتا اور حضرت بایزید بسطامیؒ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک دفعہ منام[2] میں جناب باری تعالیٰ سے عرض کیا کہ دلنی علی اقرب الطرق الیک (مجھے اپنی طرف آنے کا قریب تر طریق بتلا دیجیے) جواب ارشاد ہوا دع نفسک وتعال (اپنی خودی کو چھوڑ اور آجا) حافظ شیرازیؒ نے اس مضمون کو کیا خوب فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست   تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

(اللہ تعالیٰ اور بندہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہے تو اپنے حجاب خودی کو اے حافظ درمیان سے ہٹادے)

تو درو گم شو وصال ایں است و بس   گم شدن گم کن کمال این است و بس

(تو اس میں فنا ہوجا یہی وصال کافی ہے اپنا گم ہونا بھول جا انتہائی کمال یہ ہے)

فناء الفناء کی حقیقت

حاصل یہ کہ اپنی خودی کو مٹاؤ یہاں تک کہ اس مٹانے پر بھی نظر نہ رہے۔ یعنی اس صفت فنا پر بھی نظر نہ رہے اور اس کا نام اصطلاح میں فناء الفناء[3] ہے اور اس کو شاعرانہ مضمون نہ سمجھا جائے کہ مٹانے کو بھی مٹاؤ اس کے نظائر[4] تو روز مرہ واقع ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ فناء الفناء کی توضیح[5] اس مثال سے اچھی طرح ہوسکتی ہے کہ اگر کسی کا کوئی دلربا معشوق ہو اور عاشق اس کے خیال میں مستغرق[6] ہو اس حالت میں اس عاشق کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ میں خیال کر رہا ہوں کسی کو یاد کیجیے اس یاد کی طرف ذرا بھی ذہن نہیں جاتا۔ آدمی سوتا ہے مگر اس وقت یہ خبر نہیں ہوتی کہ میں سوتا ہوں اور اگر یہ خبر ہوجائے تو وہ سوتا ہوا نہیں

(۱) کوئی دوسرا ان دونوں کا سچا دعوے دار نہیں ہوسکتا (۲) نیند میں (۳) مٹانے کا مٹانا (۴) مثالیں (۵) وضاحت (۶) خیال میں ڈوبا ہوا ہو

ہے اور ان احوال عالیہ [1] کو سن کر یہ نا امیدی نہ چاہئیے کہ بھلا ہم کو یہ دولت کب میسر ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے اس کو کچھ دشوار نہیں۔

تو مگو مارا بدوں شہ بار نیست   با کریماں کارہا دشوار نیست

(یہ مت کہو کہ بھلا اس دربار تک ہماری رسائی کہاں ہے کیونکہ کریموں پر کوئی کام دشوار نہیں)

صحبت شیخ کا فائدہ

البتہ ایسے ماحول کے لیے صحبت شیخ کی ضرورت ہے اور صحبت وہ چیز ہے کہ دیکھو انڈا کیا چیز ہے سفیدی اور زردی کے سوا اس میں کچھ بھی نہ تھا مگر مرغی کے سینے سے اس میں جان آگئی تو کیا صحبت کاملین کی اس سے بھی گئی گذری اور یہ وسوسہ بھی نہ ہو کہ صحبت تو ایسی چیز ضرور ہے مگر خود وہ لوگ کہاں ہیں جنکی صحبت میں یہ برکت ہو تو یقین کے ساتھ سمجھو کہ اب بھی اللہ کے نیک بندے اس برکت کے موجود ہیں۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است   خم و خمخانہ با مہر و نشان است

(اب بھی ابر رحمت درفشاں ہے خم اور خمخانہ مہر و نشان کے ساتھ موجود ہے)

دل سے میدان طلب میں آنا چاہئیے نری روکھی سوکھی آرزو سے کام نہیں چلتا، صدق طلب [2] ہونی چاہئیے اور کوشش۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید   خیرہ یوسف وار می باید دوید

اگرچہ عالم میں نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے مگر یوسف علیہ السلام کی طرف دوڑنا یعنی کوشش

---

(۱) بلند حالات کو سن کر (۲) سچی طلب

تو کرنی چاہیے)

یوسف علیٰ نبینا علیہ السلام کو کیسا اپنے مولیٰ پر بھروسہ تھا کہ باوجود دروازے بند ہونے کے دوڑے اور کوشش کی اور اللہ تعالیٰ نے دروازے بھی کھول دیے اگر صدق دل سے طلب اور کوشش ہو تو مقصود ملنے کی یقینی امید ہے۔ بعض صوفیہ نے بطور تاویل اور اعتبار کے نہ بطور تفسیر اس آیت ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض[1] الخ (اگر تم کو یہ قدرت ہے کہ آسمان اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل جاؤ تو نکلو) میں امر فانفذوا کو امر تعجیزی نہیں لیا بلکہ تکلیفی اسی مضمون کے مناسب سمجھا ہے۔

ناجائز کام کے علاوہ ہر دعا عبادت ہے

غرض حاصل یہ ہے کہ دعا کا خلاصہ نیازمندی ہے اور دعا خواہ کسی قسم کی دینی ہو یا دنیوی ہو مگر ناجائز امر کے لیے نہ ہو سب عبادت ہے خواہ چھوٹی سی چھوٹی چیز کی ہو یا بڑی چیز کی، حدیث میں یہاں تک آیا ہے کہ اگر جوتی کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو خدا تعالیٰ سے مانگا کرو۔

ایک بزرگ رو رہے تھے کہ کسی نے پوچھا کیوں روتے ہو فرمایا بھوک لگی ہے اس نے کہا کیا بچے ہو کہ بھوک سے روتے ہو انہوں نے فرمایا کہ جب مولیٰ کی یہی مرضی ہو کہ میں بھوک سے رووں تو پھر استقلال[2] کیوں اختیار کروں۔

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں — خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(اگر شاہنشاہ دیں مجھ سے طمع کرنے کا خواہش مند ہو تو میں قناعت پر خاک ڈال دوں گا)

---

(۱) الرحمٰن آیت ۳۳ (۲) پھر میں مستقل مزاج کیوں رہوں

نالم ایں نالہا خوش آیدش　　　ازدو عالم نالہ و غم بایدش

(میں اس واسطے نالہ کرتا ہوں کہ اس کو نالے پسند آتے ہیں دو عالم سے نالہ و غم اس کو چاہیے)

بعض اہل لطائف کا قول ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا کہ اب اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ میں مرض کی شکایت کا اظہار کروں تب فرمایا رب انی مسنی الضر[1] الخ (اے میرے پروردگار مجھ کو یہ تکلیف پہنچ رہی ہے) ورنہ یہ اظہار بے صبری کی وجہ سے نہ تھا اگر بے صبری ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کی یوں تعریف نہ فرماتے انا وجدناه صابرا نعم العبد[2] الخ (ہم نے اس کو صابر پایا اچھا بندہ ہے)۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام　　　پس سخن کوتاہ باید والسلام

(خام پختہ کے حال کو نہیں سمجھ سکتا بات مختصر چاہیے تطویل کلام سے کیا فائدہ والسلام)

غرض ان کاملین کی نظر خدا تعالیٰ کی رضا پر ہوتی ہے اپنا حظ ظاہری یا باطنی[3] کچھ مقصود نہیں ہوتا جس میں خدا تعالیٰ راضی ہوں وہی کرنے لگتے ہیں۔

گفت معشوقے بعاشق اے فتا　　　تو بغربت دیدہ بس شہرہا

پس کدامی شہر ازانہا خوشتر است　　　گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

ہر کجا یوسف رخ باشد چو ماہ　　　جنت است او گرچہ باشد قعر چاہ

با تو دوزخ جنت است اے جانفزا　　　بے تو جنت دوزخ است اے دلربا

(کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تم نے سیاحت میں کونسا شہر پسند کیا ہے اس نے جواب دیا سب سے عمدہ وہ شہر ہے جہاں محبوب کی زیارت ہو جہاں محبوب

---

(۱) الانبیاء آیت ۸۳ (۲) سورہ ص آیت ۴۴ (۳) باطنی اور ظاہری کوئی مزہ مقصود نہیں ہوتا

ہر وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو، اے محبوب بے تمہارے جنت بھی دوزخ ہے اور تمہارے ساتھ دوزخ بھی جنت ہے)

عشاق کی شان

عاشقوں کی کچھ اور ہی شان ہے حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کی حکایت ہے کہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو اس واسطے ذکر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں **فاذکرونی اذکرکم**[1] (پس تم مجھ کو یاد کیا کرو میں تم کو یاد رکھوں گا) یعنی احوال و کیفیات باطنی پر نظر نہ تھی دیکھیے محققین کی تو یہاں تک نگاہ ہے کہ خدا کے نام اور احکام میں کیفیات باطنی تک کا قصد[2] نہ کریں۔

حصول علم کی غرض فاسد

اور افسوس آج کل لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ تو دین تحصیل دنیا کے لیے پڑھتے ہیں کوئی دست غیب تلاش کرتا پھرتا ہے۔ حالانکہ اس میں جواز تک بھی نہیں کیونکہ اس کے ذریعہ سے جو کچھ ملتا ہے وہ حرام ہے کیونکہ جن مسخر ہوجاتے ہیں اور وہ لوگوں کا مال چرا چرا کا عامل کو دیتے ہیں یا اگر اپنا اپنا لائیں تب بھی مجبور ہو کر لاتے ہیں۔ ایسا ہی تسخیر قلوب[3] کا حال ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے جو مال دیا جاتا ہے وہ طیب خاطر[4] سے نہیں دیا جاتا۔ مغلوب الرائے و مضطر[5] ہو کر دیتا ہے اور اگر کسی عمل میں جواز بھی ہو تب بھی ایسے اغراض کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام کی بے قدری کرنا اور بھی بے ادبی ہے اور احادیث میں جو سورہ واقعہ

---

(۱) البقرہ آیت ۱۵۲ (۲) ارادہ (۳) کسی کے دل کو مسخر کرنا کہ جو کام یہ چاہے وہ وہی کرے (۴) خوش دلی (۵) دوسرے کی رائے کے تابع اور بیزار ہو کر دیتا ہے

کا پڑھنا وغیرہ آیا ہے وہ دنیا کو معین[1] دین بنانے کی غرض سے جوکہ دین ہی ہے۔ کاش یہ لوگ بجائے ان اعمال کے دعا کیا کرتے اگر مقصود حاصل ہوجاتا تو بھی مطلب کا مطلب اور ثواب کا ثواب اور اگر نہ ہوتا تو بھی دعا کا ثواب کہیں گیا ہی نہ تھا۔

مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ عمل میں ایک اور خرابی ہے کہ دعا سے تو پیدا ہوتی ہے عاجزی اور فروتنی اور عمل سے پیدا ہوتا ہے۔

دعویٰ

عامل جانتا ہے کہ بس ہم نے یہ کردیا اور وہ کردیا۔ مولانا فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادیؒ کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ فرماتے تھے کہ اگر صاحب نسبت عمل کرے تو نسبت سلب ہوجاتی ہے، اس کی یہی وجہ ہے کہ عامل کو خدا پر توکل نہیں رہتا اور عجب[2] پیدا ہوجاتا ہے اور یہ منافی ہے نسبت مع اللہ کے۔ یہ قدر ضروری بیان تھا دعا کے مہتم بالشان ہونے کا اب دعا سے لوگوں کے تغافل[3] کے اسباب کا بیان باقی رہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی مواقع پر وہ ہوجائے گا۔

ختم شد

معروضہ

قارئین سے التجا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماویں کہ ناشر اور اس کی اولاد کی کوشش دینیہ اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں اور مقبولان حق کے ساتھ محشور فرماویں اور تمام زندگی بعافیت پوری فرماویں۔ آمین بحرمۃ حضور سید المرسلین ﷺ۔

---

(۱) دنیا کو دین کے لیے مددگار بنانے کی غرض سے ہے (۲) اپنی بڑائی (۳) دعا سے لوگوں کی لاپرواہی کے اسباب کا بیان باقی ہے وہ اسی وعظ کے دوسرے حصہ میں حضرت نے بیان کیا جو اس کے ۱۶ روز بعد حضرت نے اسی مسجد میں ۱۶ صفر سنہ ۱۳۳۹ھ کو بیان کیا ۱۲ (خلیل)

مواعظ حکیم الامت (مکمل)

جلد سوم

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

مواعظ

حکیم الامت (محشّٰی)

جلد سوم

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون : ۴۴۸۰۶۰ - ۵۲۲۲۲۱۳

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً ط (رواہُ البخاری)

سلسلۂ تبلیغ ۵۸

بار اوّل ۳۳۰۰

وعظ

مہمّات الدُّعاء

(دُعا سے متعلق اہم امور)

حصّہ دوم

ازافادات

حکیم الامّۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرّہٗ

عنوانات وحواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبۂ نشرواشاعت جامعہ دارُالعلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک :	۵۴۲۲۲۱۳ — ۴۳۸۰۶۰
فون پُرانی انار کلی :	۷۳۵۳۷۲۸ —

صفر ۱۴۲۰ھ

جون ۱۹۹۹ء

حضرت والاؒ نے یہ وعظ جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۶ صفر سنہ ۱۳۳۹ھ کو تقریباً تین گھنٹے بیٹھ کر "دعا سے تغافل کے اسباب" کے موضوع پر بیان فرمایا۔
مولوی نور حسین پنجابی نے اسے قلم بند فرمایا۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ نحمدہ ونستعینہ و نستغفرہ ونؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم .

اما بعد: فاعوذباللّٰہ من الشیطان الرجیم بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. (آیت) وقال ربکم ادعونی استجب لکم. ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین[1] .

(اور تمہارے پروردگار نے فرمادیا مجھ ہی کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا بلاشک جولوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے)

---

(۱) المؤمن آیت ۶۰

تمہید

اس سے پہلے وعظ میں دعا کی عظمت اور اس کے مہتم بالشان[1] ہونے کا بیان بقدر ضروری[2] کیا گیا تھا وعظ کے ختم پر یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ آئندہ کسی موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ دعا سے غفلت کرنے کے اسباب کے متعلق بیان کیا جائے گا، سو آج ان اسباب کا بیان کرنا مقصود ہے یہ آیت وہی ہے جو پہلے وعظ میں بھی پڑھی گئی تھی آج کا بیان بھی چونکہ دعا کے متعلق ہے اس لیے اس آیت سے بیان کو شروع کیا جاتا ہے اور اس بیان کو بھی اس پہلے وعظ کا بقیہ یا تتمہ سمجھنا چاہیئے۔

امور اختیاریہ اور غیر اختیاریہ دونوں کے لیے دعاء کی ضرورت

قبل اس کے کہ غفلت عن الدعاء کے اسباب بیان کیے جائیں یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ دعاء صرف امور غیر اختیاریہ کے ساتھ خاص نہیں۔ جیسا کہ عام خیال ہے کہ جو امر اپنے اختیار سے خارج ہوتا ہے اور وہ مجبور ہو کر دعا کرتے ہیں ورنہ تدبیر پر اعتماد ہوتا ہے بلکہ امور اختیاریہ[3] میں بھی دعا کی سخت ضرورت ہے اور ہر چند کہ[4] ان کا وجود اور ترتب بظاہر تدبیر اور اسباب پر مبنی ہے۔

لیکن اگر غور کر کے دیکھا جائے تو خود ان اسباب کا جمع ہوجانا واقع میں غیر اختیاری[5] ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً کھیتی کرنے میں ہل چلانا، بیج بونا وغیرہ تو اختیاری ہے مگر کھیتی اگنے کے واسطے جن شرائط اور اسباب کی

---

(۱) قابل اہتمام (۲) ضرورت کے مطابق (۳) اختیاری کام (۴) اگرچہ انکا موجود اور مرتب ہونا بظاہر اسباب پر مبنی ہے (۵) حقیقت میں انسان کے اختیار میں نہیں

ضرورت ہے وہ اختیار سے باہر ہیں مثلاً یہ کہ پالہ[۱] نہ پڑے یا اور کوئی ایسی آفت نہ پڑے جو کھیتی کو اگنے نہ دے اس لیے اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ **افرئیتم ما تحرثون اانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون**[۲] الخ اچھا پھر یہ بتلاؤ کہ تم جو (تخم وغیرہ) بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم" پھر ان سب کو احتیاج ہے تعلق مشیت خداوندی کی اور صاف ظاہر ہے کہ وہ عباد کے اختیار میں نہیں پس ثابت ہو گیا کہ امور اختیاریہ میں بھی تدبیر اور کسب کے ساتھ دعا کی ضرورت ہے خصوصاً جبکہ اس پر نظر کی جائے کہ ہم جن اسباب کو اسباب سمجھے ہوئے ہیں وہ بھی درحقیقت برائے نام ہی اسباب ہیں ورنہ اصل میں ان میں بھی وصف سببیہ بمعنی تاثر محل کلام[۳] میں ہے بلکہ احتمال ہے کہ عادت اللہ اس طرح جاری ہو کہ انکے تلبس و اقتران کی بعد[۴] حق تعالیٰ اس اثر کو ابتدا پیدا فرمادیتے ہوں اور جب چاہیں اثر مرتب نہ فرمائیں جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کے واقع میں اثر کو پیدا نہ فرمایا تو جو شخص اس راز کو سمجھ گیا وہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کے سرد[۵] ہونے میں تعجب نہیں کرے گا کیونکہ اگر تعجب ہے تو تاثیر کے مسلوب ہونے میں ہے اور اثر پیدا نہ ہونا چنداں عجب نہیں اور آگ اگر مستقل التاثیر[۶] ہو جیسا طبعیین کہتے ہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اگر شعلہ کے اندر سے جلدی سے ہاتھ ڈال کر نکال لیا جائے تو ہاتھ کیوں نہیں جلتا۔ اگر آگ کی ذات مقتضی احراق کو[۷] ہے تو یہاں پر بھی

---

(۱) سردی حد سے زائد نہ پڑے کہرا وغیرہ (۲) سورۃ الواقعہ آیت ۶۳ (۳) یعنی سبب پائے جانے کے بعد بھی نتیجہ اس کے مطابق نکل آئے اسی میں کلام ہے (۴) اللہ پاک کی عادت یہ ہے کہ جن چیزوں کے لیے اسباب متعارفہ پیدا فرمائے ہیں جب وہ اسباب ہوتے ہیں نتیجہ عموماً اس پر مرتب ہو جاتا ہے جیسے آگ کا جلانا وغیرہ لیکن یہ ضروری نہیں اس لیے کہ کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے معلوم ہوا کہ جب اللہ چاہتے ہیں تاثیر پیدا فرماتے ہیں جب چاہتے ہیں سلب کر لیتے ہیں اس لیے وہ اسباب اپنی ذات کے اعتبار سے موثر نہیں (۵) ٹھنڈا ہونے (۶) اپنے اثر کرنے میں مستقل بالذات ہو (۷) اگر آگ کی ذات ہی جلانے کا تقاضا کرتی ہے تو

ہاتھ جل جانا چاہیے تھا۔ معلوم ہوا کہ آگ کی ذات مقتضی احراق[۱] نہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ موثر[۲] تو اسی کی ذات ہے مگر مکث[۳] یعنی معتد بہ حصہ مدت تک ٹھہرنا اس کے لیے شرط ہے تو اس سے ہم کو انکار نہیں مگر کلام اس میں ہے کہ یہ شرط عادی ہے یا عقلی[۴] اس وقت وجود شرط کے ترتب اثر کا ایا لزوم کے ساتھ ہے یا بلا لزوم[۵] سو اس کی فلسفی کے پاس کیا دلیل ہے اور اگر تجربہ کو اس کی دلیل کہا جائے تو تجربہ سے صرف ترتب ثابت ہوتا ہے لزوم کیسے ثابت[۶] ہوا۔ اس کا دعویٰ بلا دلیل[۷] ہی رہا کیونکہ تجربہ سب افراد کا ابتداء سے انتہا تک احاطہ نہیں کرسکتا چند محدود افراد کے تجربے اور مشاہدے پر حکم لگا دیا جاتا ہے، ہوسکتا ہے کہ کوئی فرد جس کا اب تک مشاہدہ نہیں ہوا اس کے خلاف ہو۔ در حقیقت ان سب خرافات[۸] کے قائل ہونے کے وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فاعل با اختیار[۹] ہونے کے قائل نہیں۔ اس لیے ایسی ایسی رکیک[۱۰] تاویلیں کرنی پڑتی ہیں۔

تاثیر کی حقیقت

بالجملہ ان اسباب کے تاثیر کی ایسی مثال معلوم ہوتی ہے کہ جیسے سرخ جھنڈی دکھانے سے ریل رک جاتی ہے اب کوئی نادان یہ سمجھے کہ سرخ جھنڈی مین کوئی تاثیر ہے جس سے ریل رک جاتی ہے تو یہ اس کی نادانی ہوگی سرخ جھنڈی سے تو کیا رکتی وہ تو کسی چلانے والے کے روکنے سے رکی ہے سرخ جھنڈی صرف

---

(۱) جلانے (۲) اثر کرنے والی (۳) تھوڑی دیر ٹھہرنا (۴) عادۃً یہ شرط پائی جاتی ہے یا عقلاً (۵) یعنی جب بھی یہ شرط پائی جائیگی یہ اثر مرتب ہوگا یا نہیں (۶) اگر تجربہ کو اس جلانے کی دلیل کیا جائے تو تجربہ سے صرف اس کا مرتب ہونا لازم آتا ہے ہمیشہ لازم ہونا ثابت نہیں ہوتا (۷) اس لیے یہ دعوی بغیر دلیل ہی رہا (۸) بے ہودہ باتوں (۹) اللہ ہر کام کرنے میں قادر ہے اس کے قائل نہیں (۱۰) بے ہودہ تاویلیں

اصطلاحی علامت قرار دی گئی ہے۔ یہی مثال ہے اسباب اور ترتب[1] اثر کی۔ اصل کام تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے یہ اسباب و علامات محض عباد[2] کی تسلی و دیگر حکمتوں کے لیے مقرر فرما دیے ہیں۔

ایں سببہا در نظر با پردہاست　　در حقیقت فاعل ہر شے خداست

(یہ اسباب نظر میں پردے ہیں حقیقت میں فاعل ہر شے کا خدا تعالیٰ ہے)

کب فلک کو یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں　　کوئی معشوق ہے اس پردہ زنگاری میں

عارفین اس بات کو سمجھے اور حقیقت حال معلوم کر کے یوں گویا ہوئے۔

عشق من پیدا و معشوقم نہاں　　یار بیروں فتنہ او در جہاں

یار تو جہاں سے باہر ہے مگر اس کا تصرف جہاں کے اندر ہے وہ خود نظر نہیں آتا)

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں　　مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستاند

مشک افشانی محبوب کے زلف کا فعل ہے لیکن عاشق نے مصلحت کی بنا پر چین کے ہرنوں کی طرف منسوب کر دی ہے)

آب و خاک و باد و آتش بندہ اند　　با من و تو مردہ با حق زندہ اند

خاک ہوا پانی آگ یہ چاروں عنصر حق تعالیٰ کے بندہ ہیں ہمارے اور تمہارے رو برو گو مردہ ہیں مگر حق تعالیٰ کے رو برو زندہ ہیں)

مثنوی میں اس یہودی بادشاہ کی حکایت ہے جو مسلمانوں کو بتوں کے سجدے پر مجبور کر کے آگ میں ڈلواتا تھا یہاں تک کہ اخیر میں یہ قصہ ہوا کہ وہ آگ میں نہیں جلتے تھے اس پر اس یہودی بادشاہ نے آگ سے مجونانہ غصہ میں یہ خطاب

---

(۱) اثر مرتب ہونے کی (۲) بندوں

کیا کہ تجھے کیا ہو گیا کہ تو نہیں جلاتی۔ تو آگ نہیں رہی؟ آگ نے باذن خالقہا (اپنے خالق کی اجازت سے) جواب دیا۔

گفت آتش من ہمانا آتشم اندر آتا تو بہ بینی تابشم

(آگ نے کہا میں آگ ہی ہوں آپ تشریف لائیے تاکہ میری تیزی حرارت کو دیکھو)

پھر اس گستاخی کا یہ انجام ہوا۔

بانگ آمد کار تو ایں جا رسید پائے دار اے سگ کہ قہر ما رسید

(آواز آئی کام تیرا اس جگہ تک پہنچا ٹھہرا رہے کتے کہ ہمارا قہر و غضب نازل ہو)

دیکھئے وہی آگ تھی ایک کو جلایا ایک کو نہ جلایا اس سے یہ بات بہت وضاحت سے ثابت ہو گئی کہ اسباب بھی باختیار حق[1] ہیں جب یہ ہے تو اسباب کے اعتماد پر خالق سے قطع نظر و استغنا[2] کرنا بڑی غلطی ہے غرض امور اختیاریہ ہوں یا غیر اختیاریہ سب میں دعا کی حاجب ثابت ہوتی۔

امور اختیاریہ میں دعاء کے ساتھ تدبیر کی ضرورت

البتہ امور اختیاریہ میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ تدبیر بھی کی جائے اور دعا بھی یہ نہ ہو کہ بلا تدبیر صرف دعا پر اکتفا کیا جائے مثلاً کوئی شخص اولاد کی تمنا رکھتا ہے تو اسے چاہئیے کہ اول نکاح کرلے اور پھر دعا کرے اور بے نکاح کے اگر یوں ہی چاہنے کہ اولاد ہو جائے تو یہ اس کی نادانی ہے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کیے ہیں اور انمیں حکمتیں اور مصلحتیں رکھی ہیں۔ مطلق اسباب کا اس طور پر

---

(۱) حق تعالیٰ کے اختیار میں ہیں (۲) اسباب پر بھروسہ کر کے اللہ پاک سے صرفِ نظر کرنا اور لاپرواہی برتنا بڑی غلطی ہے

معطل چھوڑنا افراط و غلو[1] ہے اور ایک گونہ تعلیل ہے حکم الٰہیہ کی جو کہ سوئے ادب[2] اور خلاف عبدیت ہے اور مباشرت اسباب میں اظہار عبدیت[3] اور افتقار الی اللہ[4] بھی ہے جو کہ اعظم مقاصد سے ہے اس لیے ایسے امور میں مباشرت اسباب اور دعا[5] دونوں کا ہونا ضروری ہے کہ اس میں اعتدال اور تعدیل ہے۔ غرض یہ ثابت ہوگیا کہ دعا کی حاجب سب کو ہے اور اگرچہ اعتقاد تو اکثر مسلمانوں کا یہی ہے مگر پھر بھی دعا سے غفلت کی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اگرچہ اسباب غفلت کے بہت ہیں مگر اس وقت چند اسباب جو بطور امور کلیہ کے ہیں بیان کیے جاتے ہیں۔ باقی اسباب کا بطور تصریح[6] کے ان ہی سے سمجھ لینا اور نکال لینا اسان ہوگا۔

دعاء سے غفلت کے اسباب

سو ایک سبب تو جس کا آج کل زیادہ تسلط ہے یہ ہے کہ طبائع میں تعلیم جدید کے اثر سے توغل طبیعیات[7] کے سبب جمود ظاہر بینی حسن پرستی اس درجہ آگئی ہے کہ معنوی اور خفی اسباب تک ان کی نظر کو رسائی نہیں ہوتی اس لیے دعا کو بھی بیکار سمجھا جانے لگا ہے اور تمامتر آثار کو ان ہی اسباب طبیعہ میں منحصر[8] مان لیا ہے۔ حالانکہ یہ حضرات جن سائنس دانوں کی تقلید کر رہے ہیں خود ان کے محققین اسباب کے آثار اور قدرت کے اسرار کی پوری تحقیق و احاطہ

---

(۱) اسباب کو اختیار نہ کرنا یہ دین میں کمی ہے اور غلو ہے (۲) حکم الٰہی کو بیکار سمجھنا ہے جو بے ادبی ہے (۳) اسباب اختیار کرنے میں عبدیت کا اظہار ہے (۴) اللہ کی طرف سے احتیاج کا ظاہر کرنا بھی ہے (۵) اسباب اور دعاء دونوں کا اختیار کرنا ضروری ہے (۶) صراحت کے ساتھ (۷) طبیعتوں میں غلو ہونے کی وجہ سے صرف ظاہر پر نظر ہوتی ہے باطن تک نہیں جاتی (۸) سب نتائج کو ان ہی اسباب طبعیہ میں منحصر مان لیا ہے

بے علمی کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور کیوں نہ کریں آخر اس سائنس کی ساری پونجی اور تمام دولت استقراء کا ہی تو ہے جو کہ نہایت ناقص و ناتمام درجہ کی دلیل ہے۔ یہ حضرات چونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کے وجود کا انکار تو نہیں کرسکتے تھے جیسا کہ یورپ کے آزاد منش لوگ کر بیٹھتے ہیں انہوں نے یہ کیا کہ ایک قانون فطرت اپنے ظن و گمان میں تجویز کیا اور اسکو بننے میں تو اللہ تعالیٰ کا ماتحت مانتے ہیں لیکن چلنے میں اسکا بھی محتاج نہیں مانتے بلکہ نعوذ باللہ خود واجب الوجود[۱] کو اس کا تابع سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بس اس کو خاص انتظام پر پیدا تو کردیا لیکن وہ اب اسی طرح پر خود چل رہا ہے اس میں تغیر نہیں ہوسکتا جیسے گھڑی کہ کوک[۲] دینے میں تو دوسرے کی محتاج ہے اس کے بعد از خود چلتی رہتی ہے گویا اب خدا تعالیٰ کو بھی تغیر و تبدل کا کچھ اختیار نہیں معاذ اللہ مسلمان ہوکر یہ عقیدہ جو اس وجہ سے عقل کے بھی خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اضطرار اور عجز[۳] لازم آتا ہے۔ نیز اس صورت میں مشیت کا تعطل[۴] بھی لازم آئے گا اور مشیت کے تحقق پر نصوص قطعیہ شاہد ہیں[۵]۔ یہ بھی ایسا ہی ہے کہ جیسے حکمائے یونانیین اللہ تعالیٰ کے وجود حدوث عالم کے لیے علت موجبہ اضطراریہ قرار دیتے ہیں اور اختیار مشیت کی جو اس میں نفی لازم آتی ہے۔ اس کے قائل ہوتے ہیں[۶] لیکن انکی اس لیے زیادہ شکایت نہیں کہ وہ احترام اسلام کا کیے ہوئے ہیں اور یہ تو سب سے زیادہ اسلام کے جان نثار و خیر خواہ بنتے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ اتنا نہیں سمجھتے

---

(۱) حق تعالیٰ کو اس کا تابع سمجھتے ہیں (۲) گھڑی چابی دینے میں تو دوسرے کی محتاج ہے اس کے بعد خود چلتی ہے (۳) اللہ کا لاچار اور مجبور ہونا لازم آتا ہے (۴) مشیت الٰہی کا بیکار ہونا لازم آتا ہے (۵) اور مشیت الٰہی کا پایا جانا قرآن و حدیث سے ثابت ہے (۶) حکماء یونان اللہ کے وجود اور دنیا کے ختم ہونے کے لیے ایک علت غیر اختیاریہ کے قائل ہوئے جس میں مشیت الٰہی کی نفی لازم آتی ہے یہ بحث علم کلام کی ہے عوام کے لیے اس کو سمجھنا مشکل ہے کسی عالم سے سمجھ لیں

کہ اگر صفت اختیار باری تعالیٰ میں مانی جائے تو احداث عالم میں یا ترجیح بلا مرجح کا قائل ہونا پڑے گا جو عقلاً محال ہے[1] یا عالم کو قدیم[2] کہنا پڑے گا جو سمعاً محال ہے اور یہ خدشہ نہ کیا جائے کہ اختیار میں بھی ترجیح بلا مرجح کا لزوم ہوتا ہے کیونکہ اسکی کیا وجہ کہ یہ اختیار پہلے متعلق نہ ہوا پھر متعلق ہوگیا۔ جواب یہ ہے کہ صفت ارادہ اختیار کے لیے یہ امر ذاتی یا لازم ہے کہ تخصیص ماشاء متی شاء (چاہے اور جب چاہے) اور ذاتی اور لازم کے لیے علت کا سوال نامعقول ہے کیونکہ اس میں تخلل جعل کا درمیان ذات و ذاتیات کے یا درمیان ملزوم و لازم آتا ہے اور یہ محال ہے پس وہ خدشہ رفع ہوگیا اور اعتقاد اختیار کا بلا غبار ثابت رہا۔ پس اس تمام بیان سے معلوم ہوگیا کہ مذہب تعطل و انکار قدرت بالکل باطل ہے۔ مذہب حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل بااختیار ہے جب یہ ہے تو اس کی قدرت جس کی وجہ سے ممکن کا خود وجود اور ظہور ہوا ممکنات کی تاثیرات کو ظاہر بھی کرسکتی ہے اور روک بھی سکتی ہے اسی وجہ سے دعا کی جاتی ہے کہ آپ اپنی مشیت کا تعلق اس سے فرمائیں۔

یقین کامل قبولیت دعا کے لیے ضروری ہے

یہ تو جب ہے کہ اسباب خاصہ سے وہ مسبب[3] پیدا ہو لیکن خود یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام اسباب جمع ہونے پر ہی ترتب اثر ہو بلکہ بعض دفعہ اللہ تعالیٰ

---

(۱) عالم کے فنا ہونے میں ایک چیز کو بغیر کسی مرجح کے ترجیح دینے کا قائل ہونا پڑیگا جو عقلاً ناممکن ہے۔
(۲) یا یہ کہنا پڑیگا کہ عالم ہمیشہ سے ہے، یہ بھی غلط ہے (۳) یہ بحث علم کلام کی ہے جس کو سمجھنا عام آدمی کے لیے مشکل ہے اجمالاً یہ سمجھ لیا جائے کہ بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ جو کام ایسے ہیں جن کا ترتب اسباب پر ہوتا ہے ان کے لیے دعا کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اسباب اختیار کرلیے جائیں حضرت یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نہیں بلکہ ایسے کاموں کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے کہ ان اسباب کا جمع ہونا بھی تو اللہ کی مشیت پر مبنی ہے اور اس پر نتیجہ مرتب ہونا بھی اس لیے دعا کی جائے کہ اللہ اسباب پیدا فرمائیں اور ان کے ذریعہ سے مطلوب حاصل ہوجائے (خلیل)

جل جلالہ اپنی رحمت و عنایت سے نیک بندوں کی عاجزی اور دعا و زاری[1] پر نظر فرما کر محض اپنی قدرت سے تھوڑے سے نا تمام اسباب سے یا بلا اسباب بھی اثر مرتب فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں یہ قصہ موجود ہے کہ ایک نیک بی بی نے تنور میں سوختہ[2] جھونک کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ "اللھم ارزقنا" (اے اللہ ہم کو رزق دے) تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ تنور روٹیوں سے پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں قوت یقینیہ زیادہ تھی پورا یقین اس کی رزاقی[3] پر تھا۔ چنانچہ اس کا ظہور بلا اسباب ہوا اور یہ حضرات تو اللہ تعالیٰ کے بر گزیدہ تھے۔ ابلیس کے یقین اور توقع اجابت دعا کی کیفیت[4] دیکھیے کہ عین غضب اور قہاری[5] کے موقع پر بھی اس کو پورا بھروسہ تھا کہ غضب الٰہی اجابت دعا کے لیے مانع نہیں[6] "ان رحمتی سبقت غضبی" (میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی) حالانکہ یہ سوال ایسا بعید ہے کہ خود انبیاؑ کے لیے بھی خلود اور دوام[7] نہیں عنایت کیا گیا۔ "ما جعلنا لبشر من قبلک الخلد"[8] (اور ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کے لیے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا) مگر شیطان نے رحمت کی وسعت کے بھروسے پر اس کی دعا کردی اور حکم بھی ہوگیا "انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم"[9] (جا تجھ کو وقت معین کی تاریخ تک مہلت دی گئی) دعا کے قبول ہونے پر بھروسہ اور یقین ہو تو ضرور اثر ہوتا ہے۔ اور یقین ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑے

---

(۱) عاجزی دعا اور بیقراری (۲) لکڑیاں ڈال کر (۳) اللہ کے رازق ہونے پر تھا (۴) شیطان کے یقین اور دعا کے قبول ہونے کی توقع اور کیفیت کو دیکھیے (۵) اللہ کے غصہ اور جلال کے وقت (۶) اللہ کا غصہ دعا کے قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں ہوگا (۷) یہ سوال کہ مجھے ہمیشہ قیامت تک کی زندگی عطا فرمادیں اتنا بعید ہے کہ انبیاء علیھم کے لیے بھی اللہ نے ایسی زندگی مقرر نہیں کی (۸) سورۃ الانبیاء آیت: ۳۴ (۹) سورۃ الحجر آیت: ۳۷، ۳۸

بڑے آثار پیدا ہوتے ہیں چنانچہ حضرت علاء بن الحضرمی حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت میں جب غزوہ مرتدین کے لیے بحرین پر گئے اور راستے میں دریا پڑا تو ساتھیوں نے اس وجہ سے کہ کشتی تیار نہ تھی ٹھہرنے کو کہا، فرمانے لگے خلیفہ کا حکم ہے جلدی پہنچنے کا اس لیے میں نہیں ٹھہر سکتا اور یہ کہہ کر دعا کی کہ اے اللہ جس طرح تو نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کیا اسی طرح آج ہم کو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پار اتار دے اور دعا کر کے گھوڑا دریا میں ڈال دیا دریا پایاب[1] ہو گیا اور سارا لشکر پار ہو گیا۔

اور مشہور حکایت ہے کہ ایک مولوی صاحب بسم اللہ کے فضائل میں وعظ فرما رہے تھے کہ بسم اللہ پڑھ کر جو کام کریں وہ پورا ہو جاتا ہے ایک جاہل گنوار نے سنا اور کہا یہ ترکیب تو اچھی ہاتھ آئی۔ ہر روز کشتی کے پیسے دینے پڑتے ہیں پس بسم اللہ پڑھ کر دریا سے پار اتر جایا کریں گے۔ چنانچہ مدتوں وہ اسی طرح آتا جاتا رہا اتفاقاً ایک روز مولوی صاحب کی دعوت کی اور گھر لے جانے کے واسطے ان کو ساتھ لیا راستہ میں وہی دریا آملا۔ مولوی صاحب کشتی کے انتظار میں رکے اس نے کہا مولوی صاحب آئیے کھڑے کیوں رہ گئے مولوی صاحب بولے کہ کیسے آؤں اس نے کہا کہ بسم اللہ پڑھ کر آجائیے میں تو ہمیشہ بسم اللہ ہی پڑھ کر اتر جاتا ہوں مولوی صاحب کی تو ہمت نہ ہوئی مگر اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ ان کو بھی پار اتار دیا۔ یہ قوت یقینیہ ہی تھی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ آسان کر دیا۔ اسی وجہ سے بعض بزرگ تعویذ دیتے وقت کہہ دیتے ہیں کہ اس کو کھولنا مت ورنہ اثر نہیں ہوگا۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ کھولنے سے دیکھنے والا وہی معمولی کلمات سمجھ کر ضعیف الیقین[2] ہو جاتا ہے اور اثر نہیں ہوتا۔ ان مثالوں سے ظاہر ہو گیا

(۱) دریا کا پانی گھوڑوں کے پیروں تک ہی پہنچا (۲) اعتقاد کمزور پڑ جاتا ہے

کہ تھوڑے بہت اسباب جمع کر کے اگر اللہ تعالیٰ کے بھروسے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس تھوڑے حیلے میں یقین کی برکت سے سب کچھ دے دیتا ہے۔

اسباب اور دعا دونوں کا جمع ضروری ہے

اور یہی معنے معلوم ہوتے ہیں "**واجملوا فی الطلب و توکلوا علیه**" (میانہ روی اختیار کرو طلب میں اور اس پر بھروسہ رکھو) کے تدبیر اور مباشرت اسباب میں اختصار ہو "**اجملوا**" اسکی طرف اشارہ ہے اور نظر تقدیر پر ہو "**و توکلوا علیه**" (اور اس پر بھروسہ کرو) میں اس کی طرف اشارہ ہے اور در حقیقت اگر روزی صرف سعی و تدبیر پر ہی موقوف ہوتی تو اکثر آمی حکمت و تدبیر سے غنا[1] حاصل کرسکتے تھے مگر غنا اور تمول دیکھا جاتا ہے کہ حکمت اور تدبیر اور سعی پر موقوف نہیں بلکہ بکثرت دیکھا گیا ہے کہ ایک معمولی آدمی جو دو آنے تین آنے کی مختصر مزدوری کیا کرتا تھا چند سال میں وہ لکھ پتی ہوگیا۔ اگر غنا تدبیر اور سعی سے بلا تقدیر[2] حاصل ہوسکتا ہے تو ہم ایک دوسرا آدمی منتخب کرتے ہیں جو قوت اور ہمت رائے و تدبیر میں اس سے زیادہ ہو اور مدت بھی اس کے لیے دونی تجویز کرتے ہیں اور اس پہلے کو دو آنے روزانہ ملتے تھے ہم اس کے چار آنے یومیہ دیتے ہیں اور اس پہلے شخص کا تمام کارنامہ اس کو دے دیتے ہیں پھر ہم دیکھیں گے کہ اس پہلے کے برابر یا اس کے قریب مضاعف[3] مدت میں کما سکتا ہے ہرگز نہیں ترقی کے اسباب اور تدابیر بہت قومیں جانتی ہیں مگر ترقی وہی قومیں کرتی ہیں کہ جن کی تدبیر اور سعی کے ساتھ تقدیر بھی مساعدت[4] کرتی

---

(۱) رزق کا ملنا انسان کی کوشش اور تدبیر ہی پر موقوف ہوتا تو اکثر آدمی حکمت و تدبیر سے ہی مال دار ہو جایا کرتے (۲) اگر مال داری تدبیر اور کوشش سے بغیر مقدر مل جایا کرتی (۳) دوگنی مدت میں (۴) تدبیر اور کوشش کے ساتھ تقدیر بھی ساتھ دے

اب تو میرے واپس چلے جانے سے اشراف نہیں رہا ہوگا اب قبول فرمالیجیے شیخ نے قبول فرمالیا اور ان کی اس نکتہ رسی اور ذہانت پر آفریں فرمائی۔

آپ نے سنا بزرگان دین نے اشراف سے کس قدر تحرز کیا ہے[1] غرض توکل کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اشراف نہ ہو اور بدون اس کے اگر توکل ہو تو محمود[2] ہے اور جو توکل کے شرائط نہ ہوں تو تدبیر مسنون ہے بالجملہ افراط تفریط دونوں سے برکنار رہے اور اعتدال اختیار کرلے۔

گر توکل میکنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن
گفت پیغمبر باواز بلند بر توکل زانوائے اشتر بہ بند

(اگر توکل کرو تو کام کے اندر توکل کرو پھر اسباب کے اندر اثر بخشنے میں اور ان کے مسبب ہونے پر) اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرو پیغمبر ﷺ نے ایک شخص کو جو اونٹ پر سوار ہوکر آیا تھا اور دروازہ مسجد پر اس کو بٹھادیا تھا باواز بلند فرمایا صرف توکل مت کرو بلکہ توکل کے ساتھ اونٹ کا زانو بھی رسی سے باندھ دو)

تدبیر کا اختیار کرنا خلاف توکل نہیں

اور جان لینا چاہیئے کہ تدبیر و اسباب کا اختیار کرنا بھی توکل فرض کے خلاف نہیں ہے اس کی بعینہ مثال توکیل[3] کی سی سمجھ لینا چاہیئے مثلاً جب کوئی شخص کسی مقدمہ میں وکیل مقرر کرتا ہے تو کیا وکیل کرنے کے بعد یہ شخص نکما خالی بیٹھا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جتنی کوشش اس سے ہوسکتی ہے خود بھی کرتا ہے اور اس کے خلاف توکل نہیں سمجھتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ وکیل کے کرنے کا جو کام ہے وہ کرے گا جو مجھ سے کچھ ہوسکتا ہے مجھ کو کرنا چاہیئے اسی طرح تدبیر کرنا اعتقاد کے

(۱) نفس کی چاہت سے کتنا بچے ہیں (۲) پسندیدہ (۳) وکیل بنانے کی

ساتھ توکل کے خلاف نہیں بلکہ تدبیر ایسی چیز ہے کہ جو امور[1] محض غیر[2] اختیاری ہیں جن میں تدبیر کو اصلا دخل نہیں محض[3] دعا ہی پر ان کا مدار ہے۔ سنن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں بھی دعا کے ساتھ کچھ صورت تدبیر اختیار کی جاتی ہے۔

حضور ﷺ دوسروں کی راحت رسانی کا خیال رکھتے تھے

چنانچہ ایک قصہ حدیث میں بیان کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہو جائے گا کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح توکل اور دعا کو جمع فرمایا اور اس حدیث کے ضمن میں اور بھی فوائد ہیں ایک صحابی جن کا نام مقداد ہے جو کہ آنحضرت ﷺ کے مکان پر مسافرانہ مقیم تھے اور ان کو حضور ﷺ نے بکریاں بتلادی تھیں کہ ان کا دودھ نکال کر کچھ خود اور رفقہ[4] پی لیا کرو اور کچھ ہمارے لیے رکھدیا کرو اور ان کا اس طرح معمول تھا وہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور ﷺ کو آنے میں دیر ہوئی تو میں سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کی کہیں دعوت ہو گئی ہو گی یہ خیال کر کے آپ کا حصہ بھی پی گیا۔ مگر اتفاق سے جب پی چکا اس وقت خیال آیا کہ شاید آپ نے کچھ نہ کھایا ہو اور بے چینی کا یہ حال ہوا کہ کروٹیں بدلتا ہوں اور نیند نہیں آتی اس شش و پنج میں تھا کہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور آپ کی عادت شریفہ آنے کے وقت یہ تھی کہ جب تشریف لاتے اور دیکھتے کہ گھر والے لیٹے ہیں تو بہت آہستہ سے سلام کرتے اس طرح سے کہ اگر حاضرین جاگتے ہوتے تو سن لیتے اور اگر سوتے ہوتے تو آنکھ نہ کھلتی اسی طرح نسائی میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آپ کا شب

(۱) کام (۲) بالکل غیر اختیاری (۳) صرف دعا ہی پر ان کا مدار ہے (۴) دوست احباب

برات میں بقیع میں جانے کے لیے آہستہ اٹھنا اور آہستہ سے کواڑ کھولنا سب کام آہستہ سے کرنا تاکہ سونے والے کو تکلیف نہ ہو آیا ہے۔ سو اسی طرح سلام بھی آہستہ سے فرماتے کہ اگر کوئی جاگتا ہو تو اٹھ جائے اور سوتا ہو تو اس کی نیند میں خلل نہ آئے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بعض لوگ دوسرے آدمیوں کی تکلیف کا اصلا خیال نہیں کرتے۔ سوتے آدمیوں میں اٹھ کر سب کام بے تکلف زور زور سے کرتے ہیں اور اس سے دوسروں کو ایذا(۱) ہوتی ہے اسی طرح یہ امر(۲) بھی موجب ایذا ہے کہ مشغول کار آدمی کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جس سے اس کے ضروری کام میں حرج ہوتا ہے اور پریشانی بھی ہوتی ہے۔

آمین بالجہر کی حقیقت

نواب صدیق حسن خاں صاحب کے بیٹے کی ایک حکایت یاد آئی ہے کہ ایک روز بھوپال میں وہ مغرب کی نماز پڑھتے تھے اور ایک صاحب مدعی عمل بالحدیث انکے پاس کھڑے تھے یہ خیال کرکے کہ صاحبزادے صاحب بہت خوش ہوں گے بڑے زور سے آمین کہی۔ صاحبزادے صاحب نے بعد نماز کے ان سے کہا کہ آپ سے مجھے کام ہے ذرا مجھ سے مل کر جائیے وہ خوشی خوشی انتظار میں بیٹھ گئے دیکھیے کیا انعام ملتا ہے۔ اتنے میں صاحبزادے صاحب مسجد کے باہر تشریف لائے۔ وہ صاحب سامنے آئے کہ حضور کیا ارشاد تھا۔ انہوں نے ان صاحب کے ایک دھول(۳) جمائی اور فرمایا کہ آمین بالجہر تو ضرور حدیث میں آئی ہے مگر یہ بتلا کہ آمین کی اذان کس حدیث میں آئی ہے جو تو نے اس زور سے کہی کہ پاس والے

(۱) تکلیف (۲) کام (۳) ایک تھپڑ رسید کیا

بھی گھبرا اٹھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محض مخالفت بھڑکانے کو ایسا کیا جاتا ہے اس لیے یہ سزا دی گئی[1]

حضرات ہماری سبھی حالتیں بگڑ رہی ہیں ہر چیز افراط و تفریط ہو رہی ہے اور عوام کی کیا شکایت کریں۔ انصاف یہ ہے کہ آداب کو بعض اہل علم تک نہیں جانتے محض لفظ پرستی رہ گئی۔

مولوی گشتی و آگہ نیستی　　　خود کجا و از کجا و کیستی

(مولوی بن گیا اور آگاہ و خبردار نہ ہوا خود کہاں اور کہاں سے اور کون ہے تو)

صرف الفاظ کے ظاہری معنی پر عمل کرنے کا نقصان

اس لفظ پرستی پر ایک مثال یاد آئی ایک شخص کا انتقال ہوا موت کے قریب بیٹے کو وصیت کی کہ جو کوئی میری تعزیت کو آئے اس کو اونچی جگہ بٹھانا اور نرم اور شیریں باتیں کرنا اور بھاری کپڑے پہن کر اس سے ملنا اور قیمتی کھانا کھلانا اب صاحبزادے کی سنیے ایک صاحب ان کے والد کے دوست تعزیت کو آئے۔ آپ نے فوراً نوکروں کو حکم دیا کہ ان کو مچان[2] پر بٹھا دو وہ آئے اور مجرموں کی طرح ان کو زبردستی پکڑ کر مچان پر بٹھا دیا اب وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کیا معاملہ ہے نوکر کہتے ہیں کہ آقا کا یہی حکم ہے۔ اب آقا صاحب تشریف لائے تو اس

---

(۱) امام جب نماز میں سورۃ فاتحہ ختم کرلے تو مقتدی کو آمین زور سے کہنی چاہیے یا آہستہ اس میں احناف کا مسلک آہستہ آمین کہنے کا ہے بعض دوسرے ائمہ زور سے آمین کہنے کے قائل ہیں نواب صاحب بھی چونکہ زور سے آمین کہنے کے قائل تھے ان کو خوش کرنے کے لیے اس شخص نے ایسا کیا تھا جس پر نواب نے تکبیر فرمائی کہ اتنی زور سے کیوں کہی کہ سب کو تکلیف ہو (۲) پہلے زمانے میں کمرے میں ایک دو چھتی سی بنائی جاتی تھی جس پر سامان رکھتے تھے اس کو مچان کہتے ہیں

انداز سے کہ جاجم[1] دری، قالین میں لپٹے ہوئے ایک عجیب بغلول کی سی شکل بنے ہوئے ہیں۔ آخر مہمان نے کچھ تعزیت میں کہا تو جواب میں فرماتے ہیں گڑ۔ انہوں نے کچھ اور کہا تو جواب ملتا ہے روٹی۔ مہمان بے چارہ دنگ[2] ہے۔ غرض کھانے کا وقت آیا گوشت گلا نہ تھا مہمان نے کہیں اس کا شکوہ کیا تو آپ تیز ہو کر کہتے ہیں واہ صاحب میں نے آپ کے لیے پچاس روپیہ کا کتا کاٹ ڈالا اور آپ کو پسند نہیں آیا۔ اب مہمان اور بھی پریشان آخر تحقیق کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ابا جان نے وصیت کی تھی کہ میرے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص تعزیت کے واسطے تمہارے پاس آئے تو اسکو اونچی جگہ بٹھانا اس واسطے میں نے مچان پر بٹھایا کہ سب سے اونچی جگہ یہی تھی۔ اور یہ کہا تھا کہ بھاری کپڑے پہنکر ان سے ملنا تو اس دری قالین سے بھاری کوئی کپڑا نہ تھا تیسرے یہ کہا تھا کہ نرم اور میٹھی باتیں کرنا تو گڑ اور روٹی سے زیادہ نرم اور میٹھی چیز مجھ کو نہ معلوم ہوئی۔ اور وصیت کی تھی کہ قیمتی کھانا کھلانا تو اس کتے سے زیادہ کوئی جانور قیمتی ہمارے گھر نہ تھا۔ مہمان لعنت بھیج کر وہاں سے رخصت ہوا۔ بس یہی حالت ہماری ہے کہ الفاظ یاد کر لیے ہیں حقیقت آداب و اخلاق اعمال کی نہیں سمجھے۔ چنانچہ ہم نے اخلاق نام صرف چاپلوسی اور خوشامد اور میٹھی باتیں کرنے کا رکھ لیا ہے سو حقیقت میں اخلاق کو نفاق سے بدل دیا ہے اخلاق کی حقیقت یہ ہے کہ کسی کو کسی قسم کی ایذا[3] ظاہری یا باطنی یا حضور یا غیبت میں نہ پہنچے ہم نے یہ سمجھا کہ اخلاق ظاہر داری کا نام ہے گو اس سے ایذا ہی پہنچے اس کی کچھ پروا نہیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی یہ شفقت اور رعایت کہ سلام بھی کرتے ہیں تو اس طرح سے کہ کوئی بے چین نہ ہو۔

---

(۱) ایک بڑی سی چادر دری اور قالین اپنے اوپر لپیٹ کر ملنے آئے (۲) حیران ہے (۳) تکلیف

حضور ﷺ کا دعاء و توکل کے ساتھ اسباب کو جمع کرنا

غرض آنحضرت ﷺ عشا کے بعد تشریف لائے اور حسب معمول سلام کر کے برتنوں کی طرف چلے اور وہ صحابی جو دودھ پی کر لیٹ گئے تھے یہ سب دیکھ رہے ہیں آپ کو اس میں دودھ نہ ملا چونکہ آنحضرت ﷺ کو اس وقت بھوک لگی ہوئی تھی اور طعام[1] کی حاجت تھی آپ نے حسب معمول کچھ نفلیں پڑھیں اور یوں دعا فرمائی "اللھم اطعم من اطعمنی" (اے اللہ کھانا کھلا اس کو جس نے مجھ کو کھانا کھلایا ہے) دیکھیے یہ امر قابل غور ہے کہ اس دعا میں آپ نے توکل کے ساتھ اسباب کی کس لطیف طور پر رعایت فرمائی کہ یہ ظاہر کر دیا کہ کھانا اکثر اس طرح ملتا ہے کہ کوئی شخص ظاہر میں لے آئے ورنہ یہ بھی تو دعا فرما سکتے تھے کہ اے اللہ آسمان سے مائدہ یا رزق بھیج مگر آنحضرت ﷺ نے توکل اور تدبیر کو کس لطیف طریق پر جمع فرمایا جیسا مذکور ہوا۔ تمہ قصہ کا یہ ہے کہ اس دعا کے سننے کے بعد وہ صحابی اٹھے چونکہ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول ہوئی ہوگی اس لیے گو بکریوں کا دودھ دوہ[2] چکے تھے مگر پھر برتن لے کر بیٹھ گئے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بکریوں نے اتنا دودھ دیا کہ برتن بھر گیا۔ اس برتن کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ غرض اس قصے کے بیان سے یہ تھی کہ دیکھنا چاہیئے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا و توکل کے ساتھ اسباب کی رعایت کس طور پر فرمائی۔ پس معلوم ہوا کہ نہ دعا کے بھروسے اسباب کو چھوڑ دے اور نہ اسباب میں ایسا انہماک ہو کہ مسبب الاسباب پر نظر نہ رہے۔ اعتدال اصل طریقہ نبویہ ﷺ ہے اور یہ بدون تحصیل و تبحر علوم دین کے حاصل ہونا مشکل ہے کوئی آسان کام نہیں

---

(۱) کھانے (۲) دودھ نکال چکے تھے

جو ہر ایک دعوے کرنے لگے۔

بر کفے جام شریعت در کفے سندان عشق　　ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(ادھر شریعت کا مقتضیٰ ادھر عشق کا مقتضیٰ شریعت اور عشق دونوں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے)

معجزات میں بھی اسباب کی رعایت

آنحضرت ﷺ کے افعال سے تو یہاں تک اس اعتدال کا پتا چلتا ہے کہ معجزات میں بھی جو کہ بالکل بطور خرق عادت ظہور میں آتے ہیں ان میں بھی تدبیر اور اسباب کی صورت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت جابرؓ کی دعوت کا قصہ جو جنگ احزاب میں خندق کھودنے کے وقت ظہور میں آیا اس کا شاہد ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو فرمایا تھا کہ ہانڈی چولھے سے مت اتارنا پھر اس میں آکر آب دہن [1] ملا دیا۔ اور وہ چند آدمی کی خوراک لشکر کے لشکر کو کافی ہو گئی۔ اسی طرح حدیث میں اور بھی معجزات کے قصے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ خرق عادت میں تھوڑی سی رعایت اسباب کی گئی مثلاً چولھے پر ہانڈی اور توے کا رکھا رہنا اور ڈھک دینا وغیرہ کی صورت اسباب کو حجاب بنایا گیا ورنہ ویسے بھی کھانا بڑھ سکتا تھا۔ یہ آداب ہیں توکل اور تدبیر کے سید المرسلین ﷺ سے ان کو سیکھنا چاہئیے ان سے غافل رہنا بعض اوقات سبب ہو جاتا ہے انہماک فی الاسباب کا جو ایک سبب ہے ترک دعا کا جس کا حاصل ہے کہ اسباب میں انہماک اور مسبب الاسباب پر نظر نہ رکھنا اور عقیدت کی کمزوری۔

---

(۱) لعاب

ترک دعاء کا دوسرا سبب

اب ایک دوسرا سبب دعا نہ کرنے کا سنئیے وہ یہ کہ عقیدہ تو دعا کا ہے مگر یہ خیال ہوجاتا ہے کہ ہم دعا(۱) کے قابل نہیں ہم کیا دعا کریں اور در حقیقت یہ بھی شیطان کا ایک وسوسہ ہے جو ان لوگوں کے دلوں میں تواضع کے رنگ میں ڈالا گیا ہے در حقیقت بعض احوال باطنہ کچھ اس قسم کے ظاہراً مشتبہ معلوم ہوا کرتے ہیں کہ ان کو بھلایا برا قرار دینے میں بڑی فہم ودقت نظر آگاہی شرع شریف کی سخت ضرورت پڑتی ہے چنانچہ آیت "مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا يبغيان"(۲)۔ (اس نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے) میں اہل لطائف اس طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر دو امر میں التباس ہوجاتا ہے۔ ایک تو تواضع اور حیا اس کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرتے ہوئے بھی اس کا خیال رہے۔ اپنی عبدیت اور خدائے تعالیٰ سے شرم کرنا ملحوظ رہے ورنہ اگر صرف دعا کے وقت تو تواضع کے خیال سے دعا نہ کی جائے اور گناہ کرتے وقت بیباک اور نڈر ہوجائیں تو یہ در حقیقت تواضع نہیں ہے بلکہ کم ہمتی اور سستی ہے۔ شیطان نے برکات دعا سے محروم کرنے کے واسطے ایک حیلہ سکھادیا ہے لہذا اس کا وسوسہ بھی دل میں نہ لانا چاہئیے اور دعا بڑے اہتمام سے کرنی چاہئیے کہ وہ خالی نہیں جاتی اور کچھ نہ ہو۔ یہ کیا کچھ کم ہے کہ آخرت کے لیے اس کا اجر جمع رہے گا اور اہل حال کے جو اقوال ہیں مثلاً۔

---

(۱) چنانچہ ایک بار ایک شخص نے مجھ سے قرض کی شکایت کی میں نے کہا دعا کرو کہنے لگا زبان دعا کے قابل ہی نہیں میں نے کہا کہ تو پھر کلمہ کیوں پڑھتے ہو کیا کلمہ کے قابل ہے اور دعا کے قابل نہیں چپ رہ گیا ۱۲ منہ (۲) سورۃ الرحمٰن آیت: ۱۹-۲۰

احب مناجات الحبیب باوجه   ولکن لسان المذنبین کلیل

(محبوب کی پسندیدہ تر مناجات کے بہت سے طریقے ہیں لیکن گنہ گاروں کی زبان بیان کرنے سے قاصر ہے)

سو وہ غلبہ حال کے ہیں جس میں وہ معذور ہیں۔ مگر قابل تقلید نہیں۔ الحاصل حیاو تواضع میں رضائے خداوندی پیش نظر ہوتی ہے اور یہ نہ ہو تو کم ہمتی ہے۔ ان باتوں میں فرق کرنے کے واسطے بڑی ضرورت ہے علم شریعت کی اسی طرح اگر کوئی شخص "لا صلوۃ الا بحضور القلب" (بلاحضور قلب نماز نہیں ہوتی) میں بھی یہی حیلہ جو دعا میں کیا ہے نکال لے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نماز چھوڑ بیٹھے گا لہذا ایسے وساوس ناقابل اعتبار ہیں جو کچھ جیسا کچھ ہو سکے کرنا چاہیئے بھلا برا جو کچھ بھی ہو خدا کے دروازے پر آنا چاہیئے۔

باز آ باز آ ہر انچہ ہستی باز آ   گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست   صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(جو کچھ بھی تجھ سے غلطی ہو گئی ہو اس سے باز آجاؤ خواہ کافر ملحد اور بت پرست ہی کیوں نہ ہو اپنی ان حرکات سے باز آ یہ ہماری درگاہ اور دربار مایوسی کی جگہ نہیں ہے اگر تو نے سو بار توبہ کرنے کے بعد توڑی ہے باز آجا اور پھر توبہ کرلے)

ترک دعا سے پیدا ہونے والی غلطیاں

ایسا شخص ایک غلطی تو یہ کرتا ہے کہ کم ہمتی سے عبادت اور طاعت اور دعا کی طرف نہیں آتا اور دوسری غلطی یہ کرتا ہے کہ اپنی نسبت گمان کرتا ہے کہ میں کسی وقت پاک صاف ہو کر حق عبادت ادا کرسکتا ہوں اور ایسے وقت عبادت کروں گا اور جو عبادت کر رہا ہے گویا بزبان حال اس کا حق ادا کرنے کا مدعی ہے اور یہ

بھاری غلطی ہے۔ انسان کبھی پورا پاک نہیں ہوسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے قابل بننا اور اس کا حق عبادت کرنا کیا اس سے ممکن ہے۔

وجودک ذنب لا یقاس به ذنب

(تمہاری ہستی ہی گناہ ہے اور کسی گناہ کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا)

مولانا روم فرماتے ہیں

خود ثنا گفتن زمن ترک ثنا است کایں دلیل ہستی و ہستی خطا است

(خود ثنا کرنا میری طرف سے ترک ثنا ہے یہ ہستی کی دلیل ہے اور ہستی خود خطا ہے)

سرور عالم ﷺ فرماتے ہیں "لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک" (میں تیری تعریف نہیں کرسکتا جبکہ تو نے اپنی ذات کی تعریف کی ہے)

مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمہ اس معنی میں کہ ہم آپ کی ثنا نہیں کرسکتے فرماتے ہیں۔

خدا در انتظار حمد ما نیست محمد ﷺ چشم برراہ ثنا نیست
خدا مداح آفرین مصطفا بس محمد ﷺ حامد حمد خدا بس
مناجاتے اگر خواہی بیاں کرد بہ بیتے ہم قناعت مے تواں کرد
محمد ﷺ از تو میخواہم خدا را الٰہی از تو حب مصطفا را

(حق تعالیٰ کو ہماری حمد کی ضرورت نہیں نہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری ثنا کا انتظار ہے حضور ﷺ کے لیے خدا کی مدح کافی ہے اور اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کی حمد کافی ہے)

اگر کوئی مناجات کرنا چاہتے ہو تو ان دو بیتوں[1] پر اکتفا کرو۔

اے محمد ﷺ آپ سے خدا کی محبت مانگتے ہیں اور اے اللہ آپ سے حضور ﷺ کی محبت مانگتے ہیں۔

اے پاک سمجھنے کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ "لاتزکوا انفسکم الخ" (اپنے نفسوں کی پاکی بیان نہ کرو) ہم اور ہماری عبادت تو ایسی ہے کہ یہ غنیمت ہے کہ اس پر مواخذہ نہ ہو، کیونکہ ہماری ثنا ایسی ہے جیسا مولانا فرماتے ہیں۔

شاہ را گوید کسے جولاہ نیست   ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

(اگر کوئی شخص بادشاہ کو کہے جولاہہ نہیں ہے یہ اس کی تعریف نہیں ہے بلکہ وہ اس کے مرتبہ سے واقف نہیں ہے۔

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ   وز گر انجانی و چالاکی ہمہ

من نگردم پاک از تسبیح شاں   پاک ہم ایشاں شوند و در فشاں

(یعنی جیسی پاکی تم بیان کرتے ہو ہم اس سے بھی پاک ہیں اور ہم ہر طرح کی سستی اور تیزی سے بھی پاک ہیں ان کی تسبیح سے پاک نہیں ہوتا بلکہ وہ خود پاک ہو جاتے ہیں اور ان سے خوبیوں کا اظہار ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ "انی لاستغفر اللہ فی کل یوم سبعین مرۃ" (میں ہر دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں) حالانکہ عصمت انبیا ایک مسلم مسئلہ ہے پھر یہ استغفار گویا اپنی حالت عبادت کو کمال خداوندی کے مقابلہ میں ناتمام دیکھ کر ہوتا ہے یعنی اپنی عبادت وحمد و ثنا کو غیر قابل قرب خداوندی سمجھ کر استغفار کر رہے ہیں۔ یہ حالت ہے اکابر مقبولین

---

(۱) ان دو شعروں ہی کو کافی سمجھو

کی کہ بایں ہمہ علو مرتبت بمقابلہ کمال حقوق خداوندی اپنے آپ کو محض ہیچ سمجھ رہے ہیں اور یہ نہیں کہ وہ واقع میں کمال و وصال سے خالی ہیں بلکہ۔

دل آرام در بر دل آرام جو ۔ لب از تشنگی خشک و بر طرف جو
نگویم کہ بر آب قادر نیند کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(محبوب گود میں ہے اور محبوب کی تلاش کر رہے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں میں نہیں کہتا کہ پانی پر قادر نہیں ہیں لب دریا ہوتے ہوئے جلندھر کے بیمار کی طرح ہیں)

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار گلچیں بہار توزدامان گلہ دارد

جب خواص کی کیفیت ہے تو ہم عوام کس شمار میں ہیں۔ ہم پر یہ ان کی عنایت کہ باوجود ہماری بد اعمالی خراب حالی جاننے کے پھر ہم کو اپنی طاعت و حمد وثنا دعا اور التجا کی رخصت دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ کرو اگر وہ باوجود علم کے ہم سے کھوٹے مال اور ناقص عبادت کو قبول کرتے ہیں تو پھر بندہ کو کسی قسم کا عذر پیش کرنا گو وہ عذر ناقابلیت ہی کا ہو کس درجہ حماقت ہے۔

چوں طمع خواہد زتو سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

(جب شاہ دین مجھ سے طمع کا خواہشمند ہو تو اس کے بعد قناعت پر خاک ڈالدوں گا)

ایں قبول ذکر تو از رحمت است جو نماز مستحاضہ رخصت است

(یہ آپ کا ہمارے ذکر کو قبول فرمانا رحمت ہی سے ہے جیسے مستحاضہ کی نماز رخصت کی بنا پر قبول فرمالیتے ہیں)

یہ دوسرا سبب تھا دعا کے نہ کرنے کا یعنی اپنے آپ کو دعا کے قابل نہ سمجھنا جس کی اصلاح پوری طور سے کردی گئی)

ترک دعاء کا تیسرا سبب

اب تیسرا سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ یعنی یہ سمجھ کر دعا نہیں کرتے کہ قبول تو ہوتی ہی نہیں پھر دعا سے کیا فائدہ۔ سو خود یہی سمجھنا غلط ہے کہ خداوند تعالیٰ دعا قبول نہیں کرتے واقع میں موانع قبول[1] دعا خود اپنی ذات میں ہوتے ہیں مثلاً دل سے خشوع و خضوع کے ساتھ جو روح ہے۔ ملکر دعا نہ کرنا محض زبان سے کہدینا۔ حدیث میں ہے "ان اللّٰہ لا یستجیب الدعاء من قلب لاہ" (اللہ تعالیٰ قلب غافل سے دعاء قبول نہیں فرماتے) قصور اپنا ہے ورنہ وہ ذات تو سب پر مہربان اور اس کا فیض سب پر محیط ہے اپنے میں قابلیت نہ ہو اس کا کیا علاج۔

اس کے الطاف تو ہیں عام شہیی سب پر   تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے۔

توبہ برلب سبحہ بر کف۔ دل پر از ذوق گناہ   معصیت را خندہ مے آید بر استغفار ما

(لب پر توبہ ہاتھ میں تسبیح دل ذوق گناہ سے پر ہمارے استغفار پر گناہ کو بھی ہنسی آتی ہے)

بعض دعاؤں کا قبول نہ ہونا رحمت ہے

اور مثلاً گناہ کی بات کی دعا کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے جب تک گناہ اور قطعیہ رُحم کی دعا نہ ہو۔ سو بعض دفعہ اکثر دعائیں گناہ کی ہوتی ہیں اب ان کا قبول نہ کرنا ہی خدا تعالیٰ کی رحمت ہے۔ مثلاً موروثی زمین کے جھگڑے میں مالکانہ قبضے کی دعا خود گناہ ہے۔ ایسے ہے بعض لوگ بزرگوں سے

---

(۱) دعاء کے قبول نہ ہونے میں رکاوٹ

دعا کراتے ہیں کہ ہمارا لڑکا فلاں امتحان میں پاس ہوجائے اس کو ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ مل جائے سو یہ دعا ہی سرے سے ناجائز ہے۔ کیونکہ حکومت کی اکثر ملازمتیں خلاف شرع ہیں اور یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بزرگوں کے متعلقین بعض ڈپٹی کلکٹری تحصیلداری وغیرہ حکومت کے عہدوں پر ہوتے ہیں سو اگر یہ نوکری ناجائز ہے تو وہ بزرگ ان کو کیوں نہیں روکتے جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ ہیں تو یہ نوکریاں ناجائز مگر جو لوگ اسمیں مبتلا ہیں اور ان کے روزگار کی صورت بجز اس کے اور کچھ ہے نہیں۔ اگر انکو اس سے علیحدہ کردیا جائے گا اور وہ نوکری چھوڑ دیں گے تو بوجہ عدم سبیل معاش وہ اس سے زیادہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں گے۔ سو در حقیقت ان کو اجازت نہیں دی جاتی بلکہ اور بہت سے بڑے گناہوں سے بچا کر ایک چھوٹے گناہ پر رکھا جاتا ہے اور ایسی دعا میں خود مشائخ اور علماء کو احتیاط کرنی چاہیے کہ ایسے ناجائز مقدمات اور امور ممنوعہ کے واسطے دعا نہ کیا کریں کیونکہ گناہ ہوگا اور صاحب حاجب تو صاحب الغرض مجنون ہوتا ہے اس پر اعتبار اور بھروسہ نہیں چاہئیے اگر ایسا ہی کسی کی دل شکنی وغیرہ کا خیال ہو تو یوں دعا کریں کہ یا الٰہی جس کا حق ہو اس کو دلوائیے باقی ایسی ناجائز دعا نہ اپنے لیے کرے نہ غیر کے لیے۔ ناجائز امور کی دعا یا دعا کا غافل دل سے کرنا منجملہ ان موانع کے ہے جن کی وجہ سے دعا قبول نہیں ہوتی کہ در حقیقت وہ دعا اس کے لیے بہتر نہیں ہوتی اور خلاف حکمت ہوتی ہے اس لیے ترحماً قبول نہیں فرماتے۔ اس کی ایسی ہی مثال کیجیے جیسے بچہ انگارے کو اچھا سمجھ کر منہ میں ڈالنے لگے تو شفیق ماں باپ اس کو منع کرتے اور اس کے ہاتھ سے چھین لیتے ہیں۔

آنکس کہ تو نگرت نمیگرداند | آن مصلحت تو از تو بہتر داند

(جس ذات نے تجھ کو مالدار نہیں بنایا وہ تیری مصلحت کو تجھ سے بہتر جانتا ہے)

موسی علیہ السلام کی حکایت

چنانچہ حکایت ہے کہ کسی نے حضرت موسی علیہ السلام سے یہ دعا کرائی تھی کہ کل کی بات معلوم ہوجایا کرے۔ موسی علیہ السلام نے اس کو نصیحت کی کہ اس کو جانے دے اسنے نصیحت نہ مانی اور اصرار کیا۔ انہوں نے دعا کردی اور وہ قبول ہوگئی اس کو معلوم ہوا کہ کل کو میرا گھوڑا مرجائے گا۔ اس نے فوراً بازار میں جاکر بیچ ڈالا۔ اور خوش ہوا پھر معلوم ہوا کہ کل کو میرا غلام مرجائے گا وہ اس کو بھی بیچ آیا اور بہت خوش ہوا۔ پھر معلوم ہوا کہ کل کو میں مرجاؤں گا۔ بہت پریشان ہوا اور موسی علیہ السلام سے جاکر عرض کیا کہ کیا کروں۔ وحی آئی کہ اس سے کہدو تجھ کو اس کشف راز(۱) منع کیا گیا تھا تونے نہ مانا آخر تونے دیکھا کہ اصل یہ ہے کہ تیرے گھر پر ایک بلا آنے والی تھی ہم نے چاہا جانوں پر پڑجائے تونے اس کو جدا کردیا۔ ہم نے چاہا کہ غلام پر پڑجائے تونے اس کو بھی جدا کردیا۔ اب تو ہی رہ گیا۔ اگر تجھ کو پہلے سے آئندہ کی خبر نہ ہوا کرتی تو گھوڑا اور غلام کیوں بیچا جاتا اور تو معرض ہلاکت میں کیوں پڑتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی بعض مصلحت انسا نہیں سمجھتا تو اس معلوم ہونے پر اس کو بہت پریشانی اٹھانی پڑی تھی۔

اللہ جس حال میں رکھیں وہی بہتر ہے

یہاں سے ذاکرین اور شاغلین کے واسطے بھی نصیحت بتائی ہے کہ جو حالت غیر اختیاری اللہ تعالی وارد فرمائیں اس کو اپنے لیے بہتر جانیں اور اپنی خواہش سے کسی پسندیدہ حالت کی تمنا نہ کریں۔

بدرو وصاف ترا حکم نیست دم درکش ... کہ ہرچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

---

(۱) راز کھولنے سے

(در دو صاف یعنی قبض و بسط تجویز کرنے کا تم کو کچھ حق نہیں ہے جو کچھ عطا ہوجائے تربیت باطنی کے لیے مصلحت اور وہی عین لطف ہے)

مجاہدے سے کسی خاص حالت کا قصد ٹھیک نہیں۔

تو بندگی چو گدایان بشرط مزد مکن ۔ کہ خواجہ خود روش بندہ پروری دارد

(تو فقیروں کی طرح بندگی مزدوری کی شرط سے نہ کر کیونکہ آقا بندہ پروری کا طریقہ خود جانتا ہے)

ہر حالت جو اس کی طرف سے آئے وہی مناسب ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذوق و شوق و انبساط باعث عجب ہوجاتا ہے۔ تو مربی حقیقی اس کا علاج اس طرح فرماتے ہیں کہ حزن و ملال اور انقباض کو اس پر مسلط کردیتے ہیں جس سے تواضع و انکسار پیدا ہوتا ہے الغرض اپنے لیے کوئی فکر اپنی خواہش و پسند پر نہ کرنا چاہیئے۔

فکر خود رائے خود در عالم رندی نیست

کفر است درین مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہے اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے)

بعض لوگ ذکر و شغل کرتے ہیں اور کسی خاص حالت اور ثمرہ کو حاصل ہونے پر جس کو غلط فہمی سے انہوں نے مقصود سمجھ رکھا ہے غمگین ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کچھ حاصل نہیں ہوا یہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ اصل مقصود رضائے حق ہے جس کا طریق ذکر و طاعت ہے جس کو یہ حاصل ہے سب کچھ حاصل ہے تو ان کو خدا کا شکر کرنا چاہیئے کہ ان کو ذکر اور اطاعت کی توفیق تو دی ہے۔

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

حقیقت میں یہ طلب اور درد و غم بھی نعمت عظمیٰ ہے جس کا شکر کرنا چاہیئے۔

گفت آں اللہ تو لبیک ماست   ویں نیاز و سوز و دردت پیک ماست

(فرمایا تیرا اللہ ہی کہنا ہمارا جواب ہے اور تیرا یہ سوز و نیاز اور درد ہمارا قاصد ہے)

اگر حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے کوئی خادم اس امر کی شکایت کرتا تو فرماتے کہ خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنا نام لینے کی توفیق تو دی ہے اور اس موقع پر اکثر یہ شعر فرمایا کرتے۔

یا بم اورا یا نیابم جستجوئے میکنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

(میں اس کو پاؤں یا نہ پاؤں اس کی جستجو کرتا ہوں ملے یا نہ ملے ارزوں کرتا ہوں)

قبولیت اعمال کی علامت

اور فرمایا کرتے کہ جس طاعت کے بعد پھر اس طاعت کی توفیق ہو یہ طاعت سابقہ کے قبول کی علامت ہے۔ تو قبول کتنی بڑی نعمت ہے غرض قبول اسی میں منحصر نہیں کہ اس کی خواہش کے موافق ہو اور عشاق کی نظر تو کسی قسم کے قبول پر ہی نہیں ہوتی ان کی حالت تو یہ ہے۔

از دعا نبود مراد عاشقاں   جز سخن گفتن باں شیریں زباں

(مراد عاشقوں کی دعا سے محبوب حقیقی کی ہمکلامی کے سوا اور کچھ نہیں ہے)

عاشقان خدا کو عشق میں مجنوں سے کم نہ ہونا چاہیئے کیا اس کے نام کی مشق کچھ کم دوا ہے جو اور چیزوں کی تمنا کی جاتی ہے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد   در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم   می نمودی بہر کس نامہ رقم

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں   مینویسی نامہ بہر کیست ایں

گفت مشق نام لیلےٰ می کنم   خاطر خود را تسلی می دھم

(کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے اس نے پوچھا اے مجنوں کے خط لکھ رہے ہو کہنے لگا کہ لیلی کے نام کی مشق کر رہا ہوں اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں)

اجر دعاء ذخیرہ آخرت ہے

اور علاوہ اس کے کہ وہ دعا ان کی مصلحت کے مناسب نہ ہو کبھی یہ بھی ہوتا ہے اس کا اجر آخرت کے لیے ذخیرہ کیا جاتا ہے سو تعجب ہے کہ مومن ذخیرہ آخرت پر قناعت نہ کرے۔ متاع دنیا کے حاصل نہ ہونے پر افسوس کرے مومن کامل تو نعمت آخرۃ کے رو برو[1] دنیوی سلطنت تک کو گرد سمجھتے ہیں ایک دفعہ سلطان سنجرشاہ ملک نیمروز نے حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ علیہ کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو میں ملک نیمروز آپ کو ہدیہ کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں حضرت نے یہ دو شعر تحریر فرمائے۔

چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
زانگہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بیک جو نمیخرم

(چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہو اگر میرے دل میں ملک سنجر کا وسوسہ بھی ہو جب سے مجھ کو نیم شب کی سلطنت حاصل ہے نیمروز کی سلطنت میری نظر میں ایک جو کی برابر بھی نہیں ہے)

دعاء تسلیم و رضاء کے خلاف نہیں

یہ بیان تھا بقدر ضروری دعا کا بعض لوگوں کو شاید یہ شبہہ ہو کہ دعاء رضاء

---

(۱) آخرت کی نعمت کے سامنے دنیوی بادشاہت کو بیکار سمجھتے ہیں

بالقضاء کے خلاف ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ دعا اور رضا دونوں جمع ہوسکتے ہیں اس طور پر کہ عین دعا کے وقت یہ قصد ہے کہ اگر دعا کے موافق ہوگیا تو یہی قضاء[1] ہے اس پر راضی ہوں گے اور اگر اس کے خلاف ہوا تو وہی قضا ہے اس پر راضی ہوں گے اور چونکہ دعا بھی مامور بہ ہے اس لیے وہ بھی داخل قضا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا نہ کرنے کی حقیقت

اگر کوئی شخص حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے قصے سے استدلال کرے کہ انہوں نے باوجود جبرئیل علیہ السلام کے کہنے کے کہ "دعا کرو" دعا نہیں کی اور فرمایا "حسبه عن سوالی علمیه بحالی" (اس کا میرے حال کو جاننا کافی ہے میرے سوال کرنے سے) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کرنا رضا بالقضاء اور تفویض و تسلیم کے خلاف ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ قصہ سیر کی روایت ہے جس کو معرض استدلال میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے اگر اس قصہ کو مان بھی لیا جائے تو آسان طالب علمانہ یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہ قصہ پہلی امت کا ہے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مسئلہ نہیں جو ہم پر حجت ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ صاحب وحی تھے ان کو معلوم ہوچکا تھا کہ اس وقت دعا کرنا خلاف رضا ہے مولانا روم فرماتے ہیں۔

کفر باشد نزد شان کردن دعا　　　　اے خدا از ما بگردان ایں قضا

(ان کے نزدیک دعا کرنا کفر ہے کہ اے خدا ہم سے اس حکم قضا کو پھیر دے)

ہم لوگ کوئی صاحب وحی نہیں جو خاص وقت کا حکم معلوم ہوسکے ہمیں تو دعا کرنے کا حکم ہے۔ اس لیے دعا کریں گے۔ چوتھے یہ بھی توجیہ ہوسکتی ہے کہ

---

(۱) یہی اللہ کا فیصلہ ہے

ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ وہ علم میں اتم و اکمل ہیں حضرت ابراہیمؑ پر اس وقت غلبہ حالمین تفویض اور تسلیم کی فضیلت منکشف[1] تھی اور دعا کی فضیلت مستور۔ اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت تفویض تسلیم اور رضا کی فضیلیت بھی منکشف رہتی تھی اور دعا کی فضیلت بھی اسی لیے دونوں کو جمع فرمایا۔ اور اکثر بزرگوں سے غلبۂ حال میں اس قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ جن کی نہ تقلید درست ہے نہ ان کی باتوں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ان پر انکار درست ہے وہ معذور ہیں چنانچہ شاہ فخر دہلویؒ ایک روز جمعہ کی نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلتے تھے کہ سیڑھیوں پر ایک بڑھیا نے شربت کا پیالا پیش کیا اور کہا۔ بیٹا اس کو پی لو شاہ صاحب روزے سے تھے۔ روزے کا کچھ خیال نہ کیا اور شربت پی لیا۔ لوگوں نے اس پر اعتراض کیا۔ فرمایا روزے کی تلافی قضا سے ہو سکتی ہے۔ مگر دل شکنی کی تلاف نہیں ہو سکتی۔ اس واسطے میں نے پی لیا۔

ہمارے حاجی صاحبؒ نے اس قصے کے متعلق فرمایا کہ خواجہ صاحب پر اس وقت غلبۂ حال میں قلب کی فضیلت منکشف اور روزے کی فضیلت مستور تھی اس واسطے ایسا کیا۔ اگر کوئی صاحب تمکین اور اپنی حالت پر غالب ہوتا تو وہ یوں کرتا کہ نرمی سے اس کا جواب دے کر اس کو بھی راضی رکھتا اور روزہ بھی نہ توڑتا مغلوب الحال کی تقلید کسی دوسرے کو جائز نہیں اس کے واسطے خود شریعت کے صاف اور کھلے ہوئے احکام موجود ہیں جن میں کوئی کھٹکا نہیں۔ "فی طلعة الشمس ما یغنیک عن زحل" (آفتاب طلوع ہونے میں وہ ہے جو تجھ کو آدمی سے بے نیاز کردے گی)

الغرض یہ چند اسباب موانع دعا کے بطور امور کلیہ کے بیان کیے گئے ہیں

(۱) تسلیم و رضا۔ کی حقیقت کھلی ہوئی تھی اور دعا۔ کی حقیقت پوشیدہ

اب ان سے اور جزئی اسباب بھی معلوم ہو سکتے ہیں جو سمجھدار آدمی سمجھ کر نکال سکتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم.

تمت